قومی سوانح حیات کا سِلسلہ

گرُو گوبند سنگھ

گوپال سنگھ



نیشنل بک ٹرسٹ، انڈیا

گرُوگوبند سنگھ

97

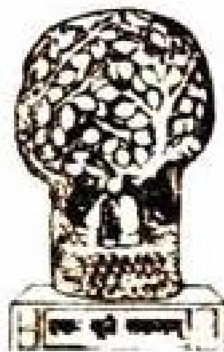
قومی سوانح حیات کا سلسلہ

گرو گوبند سنگھ

ڈاکٹر گوپال سنگھ ایم-اے-پی-ایچ-ڈی

مترجم

مخمور جالندھری



نیشنل بک ٹرسٹ، انڈیا

نئی دہلی

جولائی ۱۹۷۱ء (ساون ۱۸۹۳)

قیمت :- ۳/-

GURU GOBIND SINGH
(URDU)

تقسیم کار:
مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی ۲۵ ، دہلی ٦ ، بمبئی ۳ ، علی گڑھ ۱

سکریٹری نیشنل بک ٹرسٹ ، انڈیا ، نئی دہلی ۱٦ نے لبرٹی آرٹ پریس
(پروپرائٹرز مکتبہ جامعہ لمیٹڈ) دریا گنج دہلی ٦ میں چھپوا کر شائع کیا۔

ماں

نانکی دیوی کے نام

جن کی زندگی گرو کے حضور میں گذری

پیش لفظ

قدیم ایام ہی سے اس ملک میں زندگی کے ہر شعبہ میں عظیم الشان شخصیتوں نے جنم لیا۔ ہماری تاریخ ایسے ممتاز ترین اشخاص کے ناموں سے بھری پڑی ہے جنھوں نے آرٹ، ادب، سیاست، سائنس اور دیگر میدانوں میں قابلِ ذکر خدمات سرانجام دیں۔ چند شخصیتوں کے نام گھر گھر مشہور ہیں۔ بہت سی ایسی شخصیتیں ہیں جن کے نام تو جانے پہچانے ہیں لیکن جن کی زندگی اور کام سے لوگ بہت کم واقف ہیں اور ایسی شخصیتیں بھی ہیں جن کے بارے میں لوگ بہت کم جانتے ہیں لیکن جنھوں نے حیرت انگیز کارہائے نمایاں سرانجام دیے ہیں۔

ایک ملک کی تاریخ بڑی حد تک اُس کے عظیم مردوں اور عورتوں کی تاریخ ہوتی ہے۔ اُنھوں نے ہی اپنے ملک کو ڈھالا ہوتا ہے اور تعمیر کیا ہوتا ہے۔ ایک عام شہری کے لیے ضروری ہے کہ وہ ان شخصیتوں کے بارے میں کچھ جانتا ہو تاکہ یہ سمجھ سکے کہ اس کے ملک کا ارتقاء کیسے ہوا ہے۔

بہت سے ملکوں میں اس مقصد کے لیے قومی سوانحعمریوں کی لغت شائع کی گئی ہے۔ یہ امر افسوسناک ہے کہ ہمارے یہاں اس قسم کی مفصل کتاب دستیاب نہیں ہے۔ اس سلسلے کا مقصد یہ نہیں ہے کہ اس قسم کی عالمانہ اور جامع کتاب پیش کی جائے بلکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ ایک عام قاری کے لیے سادہ اندازِ بیان میں قدیم زمانہ ہی سے ملک کے نامور اصحاب و خواتین کی سوانحعمری پیش کی جائے۔ ارادہ یہ ہے کہ اس سلسلے کو الگ الگ کتابوں میں قومی سوانحعمریوں کا مقبول ترین انسائیکلوپیڈیا (قاموس) بنایا جائے۔

ہم پروفیسر کے ہسوامی ناتھن اور شری مہندر وی۔ ڈیسائی کے ممنون ہیں کہ انھوں نے اس سلسلے کی ادارت منظور کی۔

ہم سکھ دھرم کے دسویں گرو کی ۳۰۰ ویں سالگرہ منا چکے ہیں اور یہ امید کرتے ہیں کہ یہ سوانحمری گرو گوبند سنگھ کی زندگی کے بارے میں کچھ جاننے میں مدد دے گی۔ ڈاکٹر گوپال سنگھ نے جو ایک مشہور ادیب اور سکھ گرنتھوں اور تاریخ کے عالم ہیں یہ کتاب ہمارے لیے لکھی ہے۔

نئی دہلی　　　　　　　　　　بالکرشن کیسکر

پہلا باب

"لیجیے انسانوں میں ایک انسان پیدا ہوا ــــ
جری اور دلیر، اتھاہ، یکتا اور عدیم المثال!"

ــــ بھائی گورداس سنگھ

یہ ایک ایسے انسان کی کہانی ہے جو پیدا تو فانی ہوا تھا لیکن اپنے کردار کی بے پناہ قوت اور فضلِ خدا سے غیر فانی بن گیا۔ جو پیدا تو ایک شہزادہ ہوا تھا لیکن جس نے عمر بھر ایک درویش رہنا پسند کیا اور جو ایک سنت تھا لیکن حالات نے اسے ایک جنگجو سپاہی بنا دیا مگر دل و جان سے وہ ایک سنت ہی رہا۔ جس نے جنگ لڑی اور فتح پائی مگر زمین کے ایک انچ حصہ پر بھی قبضہ نہ کیا۔ گرو گوبند سنگھ نے ہندوستانی عوام کو قومیت کا تصور عطا کیا اور یہ تصور تھا کہ زندگی کی چھوٹی چھوٹی باتوں اور مقصد میں خود کو خدائے بزرگ و برتر کے سپرد کر دیا جائے اور دنیاوی ذمہ داریوں سے ہرگز منہ نہ موڑا جائے۔ وہ ایک گرو بن گئے جس کی خدا کی طرح پرستش کی جاتی ہے۔ لیکن انھوں نے مشاہیر پرستی کی مذمت کی اور ایسے پرزور الفاظ میں مذمت کی کہ ان سے پہلے اور بعد میں اس قدر شدید مذمت نہیں کی گئی تھی۔ انھوں نے کہا ــــ "جو بھی مجھے خدا کہے گا وہ یقیناً جہنم کی آگ میں جلے گا۔ میں خدائے بزرگ و برتر کا خادم ہوں اور دنیا کا تماشہ دیکھنے آیا

ہوں۔" وہ ایک شہید کے بیٹے اور ایک شہید کے پڑپوتے تھے۔ انھوں نے نہ صرف اپنے آپ کو بلکہ اپنے تمام بیٹوں، اپنی ماں اور ہر اُس شخص کو جو انھیں اپنا کہتا تھا خدائے بزرگ و برتر کے قدموں پر نچھاور کر دیا۔ انھوں نے موروثی جانشینی کو ختم کر دیا اور اس وقت تک کی انسانی تاریخ میں پہلی بار لوگوں کو روحانی اور مادّی اقتدارِ اعلیٰ سونپ دیا جس کے بارے میں اُن کا یہ خیال تھا کہ وہ عوام ہی کا حق ہے۔ انھوں نے روح کی دانشمندی کو ہر انسان کی زندگی کا رہنما فرشتہ بنا دیا۔ انھوں نے دنیاوی سرگرمی کو روحانی رنگ عطا کر دیا اور دنیاوی امید و آرزو کو مذہبی منظوری دے دی۔ اُنھوں نے ایک آدرش کے لیے موت کو مقبول بنا کر زندگی کو نئے معانی عطا کر دیے۔ اُنھوں نے ذات پات، جنم، سماجی مقام اور دھرم کی مراعات کا خاتمہ کر دیا اور اُنھوں نے ہر طرح سے پست کو بلند کی سطح تک اونچا اُٹھا دیا۔ اُنھوں نے مرد کو اس کی مردانگی اور عورت کو اس کی نسوانیت بخشی۔ اُنھوں نے ایک نئے مذہبی ضابطہ کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا اور اس کے لیے انھیں دوسروں سے لڑنا پڑا لیکن پھر بھی انھوں نے نہ تو مختلف مذاہب کی تذلیل کی اور نہ انسانوں کو انسان سے جدا کیا۔ انھوں نے کہا "مسجد اور مندر ایک ہے"۔ ان کے بعد ہمارے برِّ صغیر میں زندگی ویسی نہ رہی۔ "آزادی۔ آزادی۔ آزادی" یہ نعرہ ہر دل میں گونج اٹھا۔ آزادی صرف غیر ملکیوں کے جبر و تشدد سے ہی نہیں بلکہ ہر اس بات سے آزادی جو انسان کو پست اور سرنگوں کر دیتی ہے — آزادی توہم پرستی اور مکر و ریا سے، غرور اور خود رحمی سے، حرص و ہوس سے اور سب سے بھیانک اور بری بات یعنی جیتے جی مر جانے اور بے معنی جیے جانے کے احساس سے!

اُنھوں نے یہ تمام کارنامے اپنی مختصر سی زندگی یعنی صرف بیالیس سال کے عرصہ میں سر انجام دیے۔ یہ درست ہے کہ ایک دو صدیوں سے گرونانک دیو جی کا عقیدہ لاکھوں لوگوں کے اس اعتقاد کو مضبوط بناتا چلا آ رہا تھا کہ صرف ایک اور واحد خدا

کی پرستش کرو، باطن کو پاکیزہ بناؤ، انکسار اور خدمت کے جذبے سے کام لو اور ہتھیاروں کے استعمال میں اور اپنے طرزِ زندگی کی حفاظت میں خود سپردگی اور شہادت کا جذبہ اپناؤ — لیکن گرو نانک کے بعد دسویں گرو گوبند سنگھ نے تاریخ کی ایسی خود بہ خود ابھرنے والی قوتوں کو رہا کر دیا جو تاریخ کو کلی طور پر تبدیل کئے اور مستحکم بنائے بغیر نہیں رہ سکتی تھیں۔ کہا جاتا ہے کہ تمام مذہبی تحریکیں دراصل سیاسی تحریکیں ہوتی ہیں۔ یہ سچ ہے کیونکہ ایک بار جب انسان کی روح کو آزاد کر دیا جاتا ہے تو پھر کوئی ایسی آزادی دنیاوی یا دوسری آزادی باقی نہیں رہتی جس کا مطالبہ انسان نہ کرے گرو نانک نے روح کو آزاد کر دیا تھا لیکن حقیقت میں اسے دو صدیوں تک رہنمائی کی ضرورت تھی۔ گرو گوبند سنگھ نے اس پر شباب کی مہر ثبت کر دی اور انسان کا تمام وجود اس کے حوالے کر دیا۔

گوبند رائے (پیدائش کے وقت اُن کا یہی نام تھا) نویں سکھ گرو تیغ بہادر کے اکلوتے بیٹے کا جنم ۲۶ دسمبر ۱۶۶۶ء کو پٹنہ میں ہوا۔ گرو تیغ بہادر اس وقت "پیغامِ الٰہی" لیے ہوئے آسام کے دورے پر گئے ہوئے تھے اور وہ اپنے خاندان کو کچھ عرصے کے لیے پٹنہ میں چھوڑ گئے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ ایک مشہور اور پاکباز مسلم فقیر سید بھیکھن شاہ کو[1] دُور کہرام نگر میں گرو گوبند سنگھ کے جنم دن پر آسمان میں ایک عجیب وغریب نور پھیلا ہوا دکھائی دیا۔ وہ سجدے میں جھک گیا اور اس نے کہا "خدا نے روئے زمین پر ایک نئی تجلّی بھیجی ہے۔" وہ اس تجلّی کی سمت میں چل پڑا۔ وہ اپنے مریدوں کے ساتھ طویل

---

[1] میکالف اور کئی سکھ مورخوں نے لکھا ہے کہ یہ بھیکھن شاہ ضلع کرنال کے گاؤں فصد امیراں کا رہنے والا تھا اور اس نے اپنے گھر میں حیرتناک تجلّی دیکھی تھی۔ چند سکھ مورخ یہ کہتے ہیں کہ وہ ضلع کرنال میں تھانیسر کے نزدیک موضع ٹھاسکہ کا رہنے والا تھا۔

کی پرستش کرو، باطن کو پاکیزہ بناؤ، انکسار اور خدمت کے جذبے سے کام لو اور ہتھیاروں کے استعمال میں اور اپنے طرزِ زندگی کی حفاظت میں خود سپردگی اور شہادت کا جذبہ اپناؤ — لیکن گرو نانک کے بعد دسویں گرو گوبند سنگھ نے تاریخ کی ایسی خود بہ خود ابھرنے والی قوتوں کو رہا کر دیا جو تاریخ کو کلّی طور پر تبدیل کئے اور مستحکم بنائے بغیر نہیں رہ سکتی تھیں۔ کہا جاتا ہے کہ تمام مذہبی تحریکیں دراصل سیاسی تحریکیں ہوتی ہیں۔ یہ سچ ہے کیونکہ ایک بار جب انسان کی روح کو آزاد کر دیا جاتا ہے تو پھر کوئی ایسی آزادی دنیاوی یا دوسری آزادی باقی نہیں رہتی جس کا مطالبہ انسان نہ کرے گرو نانک نے روح کو آزاد کر دیا تھا لیکن حقیقت میں اسے دو صدیوں تک رہنمائی کی ضرورت تھی۔ گرو گوبند سنگھ نے اس پر شباب کی مہر ثبت کر دی اور انسان کا تمام وجود اس کے حوالے کر دیا۔

گوبند رائے (پیدائش کے وقت اُن کا یہی نام تھا) نویں سکھ گرو تیغ بہادر کے اکلوتے بیٹے کا جنم ۲۶ دسمبر ۱۶۶۶ء کو پٹنہ میں ہوا۔ گرو تیغ بہادر اس وقت "پیغامِ الٰہی" لیے ہوئے آسام کے دورے پر گئے ہوئے تھے اور وہ اپنے خاندان کو کچھ عرصے کے لیے پٹنہ میں چھوڑ گئے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ ایک مشہور اور پاکباز مسلم فقیر سید بھیکھن شاہ کو دُور کہرام[1] نگر میں گرو گوبند سنگھ کے جنم دن پر آسمان میں ایک عجیب و غریب نور پھیلا ہوا دکھائی دیا۔ وہ سجدے میں جھک گیا اور اس نے کہا "خدا نے روئے زمین پر ایک نئی تجلّی بھیجی ہے۔" وہ اس تجلّی کی سمت میں چل پڑا۔ وہ اپنے مریدوں کے ساتھ طویل

---

[1] میکالف اور کئی سکھ مورخوں نے لکھا ہے کہ یہ بھیکھن شاہ ضلع کرنال کے گاؤں فصد امیراں کا رہنے والا تھا اور اس نے اپنے گھر میں حیرت ناک تجلّی دیکھی تھی۔ چند سکھ مورخ یہ کہتے ہیں کہ وہ ضلع کرنال میں تھانیسر کے نزدیک موضع ٹھاسکہ کا رہنے والا تھا۔

اور دشوار سفر کے بعد پٹنہ پہنچا۔ گرو کے دیدار کے لیے اور نوعمر شہزادے کو آزمانے کے لیے وہ اپنے ساتھ دو لوٹے لے گیا۔ ایک لوٹا دودھ سے بھرا ہوا تھا اور دوسرا پانی سے۔ اس نے دونوں لوٹے ڈھک کر نومولود کے سامنے رکھ دیئے اور دل میں سوچا کہ اگر ننھے گرو نے دودھ والے لوٹے پر ہاتھ رکھ دیا تو میں یہ سمجھوں گا کہ وہ مسلمانوں کے رفیق اور طرفدار ہوں گے اور اگر ننھے گرو نے پانی والے لوٹے پر ہاتھ رکھ دیا تو وہ ہندوؤں کے مددگار و معاون ہوں گے۔ لیکن بچے نے دونوں لوٹوں پر ہاتھ رکھ دیے۔ "سبحان اللہ سبحان اللہ کہتے ہوئے اس نے گرو کے آگے سر جھکا دیا اور بولا "اس ملک کو آپ ہی کی ضرورت تھی۔ یعنی ایسے انسان کی ضرورت تھی جو ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں کا ہی قائد ہو۔"

بچپن ہی سے گرو گوبند سنگھ اپنے والد محترم کی طرح رات گئے تک مراقبے میں رہتے تھے۔ انھوں نے گہری دلچسپی اور اشتیاق کے ساتھ سنسکرت، ہندی، پنجابی، فارسی اور عربی پڑھنی شروع کی۔ لیکن وہ ایک اور بات میں بھی گہری دلچسپی رکھتے تھے ـــ تیر اندازی اور بندوق کی نشانہ بازی میں ـــ کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے تیروں سے ان عورتوں کے مٹکے توڑ دیا کرتے تھے جو نزدیکی کنوئیں سے پانی بھر کرلے جایا کرتی تھیں۔ جب اس بات کی شکایت ان کی ماں سے کی گئی تو انھوں نے کہا "اگر یہ عورتیں میرے تیروں سے اس قدر گھبراتی ہیں تو تانبے کی گاگریں کیوں نہیں لاتیں؟ جب ان عورتوں نے تانبے کی گاگریں استعمال کرنی شروع کیں تو انھوں نے اپنے تیروں سے اتنے مضبوط نشانے باندھے کہ ان کی گاگروں میں بھی چھید ہو گئے۔ جلد ہی عورتوں نے کنوئیں پر پانی بھرنا بند کر دیا۔ ان کی والدہ اس بات پر بہت پریشان ہوئیں اور انھوں نے بڑی کوشش کے بعد اپنے بیٹے کو ایسا کرنے سے روکا۔

گرو گوبند سنگھ جسمانی ورزش کا بھی بہت شوق رکھتے تھے اور وہ اپنے ساتھیوں

کی پیٹھ ٹھونکا کرتے تھے کہ وہ ان سے یا آپس میں ایک دوسرے سے کشتی لڑیں۔
دریں اثنا گرو تیغ بہادر آسام سے واپس آگئے اور پنجاب روانہ ہوئے۔ وہ اپنے خاندان کو پٹنہ میں چھوڑ گئے تاکہ ان کے بیٹے کی تعلیم میں کوئی خلل واقع نہ ہو۔ لیکن اس کے فوراً بعد گرو تیغ بہادر نے ان کو آنند پور بلا لیا جسے گرو جی نے خرید کر اس کی تعمیر شروع کر دی تھی۔ شوالک کی پہاڑیوں میں گھرا ہوا یہ دلکش مقام پنجاب کے ضلع ہوشیار پور کے گاؤں لکھووال میں واقع ہے۔ یہ مقام سکون گوشہ نشینی اور ریاضت کے لیے بہت موزوں تھا اور ان کے ان نزدیکی رشتہ داروں کے گھروں سے دُور تھا جنھوں نے ان کو سخت پریشان کیا تھا۔ گرو تیغ بہادر نے ان کو ہمیشہ کے لیے چھوڑ کر یہاں آ رہنا مناسب خیال کیا تھا۔ لیکن یہاں اس سے کہیں زیادہ شدید مسئلہ ان کے سامنے آیا۔

سحر انگیز وادیِ کشمیر کے پنڈتوں کا ایک وفد گرو صاحب کے دربار میں حاضر ہوا۔ اور گرو سے یہ شکایت کی کہ مغل صوبیدار اُن پر ظلم ڈھا رہا ہے اور ان کے سامنے دو تجویزیں رکھ رہا ہے "اسلام قبول کرو یا موت![1]" انھوں نے التجا کی "آپ اس کل یگ میں

---

[1] اورنگ زیب ہر لحاظ سے ایک سنّی مسلمان تھا۔ وہ اگرچہ ذاتی طور پر متقی اور پرہیز گار تھا لیکن متعصب، انتہائی ظالم اور سنگدل تھا۔ اس نے اپنی سلطنت میں موسیقی ختم کر دی تھی اور شاعروں کے وظیفے بند کر دیے تھے۔ شہنشاہ کے بہت سے فرمانوں میں صوبیداروں کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ وہ ہندوؤں کے چند مشہور مندر منہدم کر دیں۔ جن میں سوم ناتھ، اور بنارس اور متھرا کے مندر شامل تھے۔ خفی خاں کے بیان کے مطابق اورنگ زیب نے یہ حکم بھی دیا کہ سکھوں کے گوردوارے تباہ کر دیے جائیں اور گروؤں کے اہلکاروں (مسندوں) کو جو پیروؤں سے فصل کا دسواں حصّہ اور تحائف جمع کرتے ہیں شہروں سے نکال باہر کیا جائے۔ اورنگ زیب نے ہندوؤں کے میلوں کی ممانعت کر دی اور ان کو سرکاری ملازمت سے محروم کر دیا تھا۔

ہمارے گرو اور مالک ہیں۔ آپ ہی ہماری نسل کو بچائیے۔ ورنہ عزّت کے ساتھ زندہ رہنا اور صدیوں پرانے دھرم کو بچانا محال ہو جائے گا۔"

گرو گہری سوچ میں ڈوب گئے۔ پھر انھوں نے ان سے کہا "جاؤ۔ اور صوبیدار

۱۶۹۵ء کے لگ بھگ شہنشاہ نے ایک فرمان جاری کیا جس کی رُو سے پالکیوں میں ہندؤں کا جانا اور عربی گھوڑوں پر اُن کا سواری کرنا بند کر دیا گیا۔ ہندوؤں کو اپنے مال پر دُوگنا محصول دینا پڑتا تھا۔ (محمد لطیف۔ پنجاب کی تاریخ۔ کلکتہ ۱۸۹۰ء صفحہ ۱۷۶) اس نے اپنے والد کو اس کی زندگی کے آخری ایّام میں سات سال تک قید رکھنے کے جرم اور اپنے بھائیوں کو قتل کرنے کے جرم پر پردہ ڈالنے کے لیے شاید کٹّر پرہیزگاری کا انداز اپنایا اور اس نے اپنے پر دادا اکبر کی فراخدلانہ پالیسیوں کو بالکل اُلٹ دیا۔ اس نے نہ صرف ہندوؤں پر جزیہ لگایا بلکہ شیعہ مسلمانوں اور صوفیوں کو سخت اذیت دی۔ اس نے اپنے باپ سے بہت بُرا سلوک کیا تھا اور تین بھائیوں کو ہلاک کر دیا تھا جس کی وجہ سے مکّہ کے امام اُس سے سخت نفرت کرتے تھے اور اُنھوں نے اس کا نذرانہ قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ اورنگ زیب نے شاہ عالمگیر کا لقب اختیار کیا تو شاہِ ایران (جو شیعہ تھے) بہت مضطرب ہوئے اور انھوں نے دلّی پر چڑھائی کرنے کی دھمکی دی۔ شاہ نے اپنے دربار میں اپنے ایک ملازم سے اورنگ زیب کے ایلچی کی داڑھی جلوا دی۔ بعد میں اورنگ زیب نے مکّہ شریف کے اماموں اور نگہبانوں کو سونا دے کر خرید لیا۔ چند چھوٹے چھوٹے ہندو راجوں کو جو یا تو بہت چھوٹے تھے یا بہت ہی ضدی تھے اس نے خراج لے کر چھوڑ دیا اور چند راجوں نے اس کی فوج میں کام کرنا منظور کر لیا لیکن زیادہ تر راجے اُس سے نفرت کرتے تھے اور کافی لوگوں نے اس کی اذیت رسانی سے بچنے کے لیے اسلام قبول کر لیا۔

(اورنگ زیب مصنّفہ سر جے۔ این سرکار)

سے جاکر یہ کہو کہ اگر ہمارے رہنما اور گرو تیغ بہادر کو سب سے پہلے اسلام قبول کرنے کی ترغیب دی جائے تو ہم سب ان کے بعد اسلام قبول کریں گے۔ اگر ہمارا گرو اِسلام قبول نہیں کرے گا تو ہم اپنے پُرانے دھرم پر قائم رہیں گے۔" اس دلیرانہ جواب سے ہمت پاکر کشمیری پنڈت وادیِ کشمیر میں واپس چلے گئے۔

اِس وقت گرو گوبند کی عمر صرف ۹ برس کی تھی۔ جب گرو تیغ بہادر نے اپنی بیوی گجری سے اس معاملہ پر صلاح مشورہ کیا تو وہ سخت پریشان ہوئی اور اس نے محسوس کیا کہ مغل حکام کو گرو نے جس انداز سے للکارا ہے اس کا مطلب صرف یہی ہو سکتا ہے کہ ان کو ایذا دی جائے گی یا ان کو موت کے گھاٹ اتار دیا جائے گا۔ اور ایسا ہی ہوا۔ جب اورنگ زیب کو کشمیر کے صوبیدار کی وساطت سے گرو کے جواب سے آگاہ کیا گیا تو اورنگ زیب غصّے میں آپے سے باہر ہوگیا اور اس نے حکم دیا کہ گرو کو گرفتار کرلیا جائے اور اس کے حضور لایا جائے۔ گرو کو بہت جلد آنند پور جانا پڑا۔ ان کی بیوی نے پوچھا "آپ ہمیں کس کے پاس چھوڑ کر جائیں گے۔۔؟" گرو نے جواب دیا "پرماتما اور گوبند کے پاس" انھوں نے گوبند رائے کو اپنا جانشیں مقرر کیا اور اپنے پیرووں سے کہا کہ وہ اُن کے احکام کی تعمیل کریں۔

جلد ہی گرو تیغ بہادر کو گرفتار کرلیا گیا۔ قید خانے میں اُن کو ہر طرح کی اذیت دی گئی اور اسلام قبول نہ کرنے پر دلّی کے چاندنی چوک میں اُن کو موت کی سزا دی گئی۔ مرتے دم تک وہ بہت پرسکون رہے اور پرماتما کی حمد و ثنا کے گیت گاتے رہے۔ انھوں نے کہا "ہونی پر دکھ کیوں ہو۔۔ جو جنم لیتا ہے مرتا بھی ہے۔"

گرو کی موت پر اُن کے بیٹے نے ان کو خراجِ تحسین ادا کیا اور کہا "انھوں نے اپنے خون سے ہندوؤں کے تلک اور جنیو رسم کی حفاظت کی۔ اس کل یگ میں یہ ایک کارِ نمایاں ہے۔ انھوں نے اپنی جان دیدی عزت نہیں دی۔"

دلّی کے پُر ہجوم اور ہنگامہ خیز شہر میں گرو کی لاش کچھ دنوں تک پڑی رہی اور مغل شہنشاہ کے عتاب سے ڈرتے ہوئے کسی نے اس لاش کا دعویٰ نہ کیا۔ لیکن چھوٹی ذات کے دو آدمی لاش اٹھا کر لے گئے۔ ایک نے سر اٹھایا اور دوسرے نے دھڑ۔ ان میں سے ایک دلّی کا بہشتی تھا۔ وہ نامور شہید کی مقدس لاش دلی کے نزدیک واقع اپنے گاؤں رائے سینا میں لے گیا۔ اس نے اپنے گھاس پھوس کے جھونپڑے کو جلا کر تاکہ کسی کو کچھ پتہ نہ چلے تمام شایانِ شان اعزازات کے ساتھ انتم سنسکار کیا۔ دوسرا جو رنگ ریٹا تھا اپنے شہید گرو کا سر آنند پور میں گرو گوبند سنگھ کے پاس لے گیا جہاں تمام رسومات کے ساتھ اسے آگ کے سپرد کر دیا گیا۔

کہا جاتا ہے کہ اُن کے والد کا یہ شعر انھیں سنایا گیا۔

"میری طاقت زائل ہو چکی ہے،

میں بندھنوں میں جکڑا ہوا ہوں،

ایسے میں میری نجات کی کیا امید ہو سکتی ہے۔"

گرو گوبند سنگھ نے اس شعر کا جواب شعر سے دیا جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ شعر ان کے والد کا تھا۔ لیکن روایت یہ ہے کہ یہ شعر گرو گوبند کا تھا۔

"میری طاقت لوٹ آئی ہے،

میرے بندھن کٹ گئے ہیں۔

میرے لیے ہر شمع امید روشن ہے،

نانک کہتا ہے ہر بات پرماتما کے ہاتھ میں ہے،

اے پرماتما — میرے مالک میری مدد کر۔"

زورِ احساس و بیان کی یہ تبدیلی جیسا کہ ہم دیکھیں گے گرو گوبند سنگھ کی زندگی کی روحِ رواں ہے اور درخشاں علامت ہے [1]

لہ اپنی خود نوشت سوانحعمری سے متعلق نظم "وچتر ناٹک" میں گرو گوبند سنگھ نے اپنے سوڈھی گوتر والے لوگوں کو لوکی اولاد بنا دیا ہے۔ جو بھگوان رام کے بیٹے تھے اور نسل کے ایک بہت ہی طاقتور سورما کال کیت نے سنوڈھ کے راجہ کی بیٹی سے شادی کی۔ اس کے بیٹے کا نام سوڈھی رائے تھا جس سے سوڈھیوں کا خاندان چلا۔ جہاں تک بیدیوں کا تعلق ہے (جو گرو نانک کا گوتر تھا) گرو گوبند سنگھ کا کہنا تھا کہ وہ کُش کے خاندان سے تھے۔ جو رام کے دوسرے بیٹے تھے۔ بیدیوں کو سوڈھیوں نے پنجاب سے مار بھگایا اور وہ بنارس میں جاکر آباد ہو گئے۔ وہاں انھوں نے ویدوں کا مطالعہ کیا لہٰذا اُن کو ویدی یعنی بیدی کہا جانے لگا۔ گرو گوبند سنگھ کا کہنا ہے کہ وہ اپنے اگلے جنم میں ایک مہان یوگی تھے اور انھوں نے ہمالیہ میں، ہیم کنڈ نام کی ایک جگہ پر تپسیا کی تھی۔ "وہاں ہمالیہ کی ساتوں چوٹیاں دکھائی دیتی تھیں۔ میں پرماتما سے جا ملا تھا اور دھرتی پر آنے کی کوئی خواہش نہیں رکھتا تھا لیکن میرے مالک میرے بھگوان نے مجھ سے کہا۔ "میں نے تمھیں اپنا بیٹا بنا لیا ہے۔ جاؤ اور دنیا میں میرا راستہ (پنتھ) روشن کرو۔ جو لوگ پہلے گئے تھے انھوں نے اپنا دھرم پھیلایا، میرا نہیں — تم یہاں بھی اور وہاں بھی میرا دھرم پھیلاؤ — اور جو کوئی بھی بدی کرتا ہے اُسے نیست و نابود کر دو۔"

گرو گوبند سنگھ کی شخصیت کے بارے میں جتنے بھی تذکرے ملتے ہیں، اُن میں یہی دکھایا گیا ہے کہ ان کے خد و خال تیکھے تھے۔ وہ دراز قد اور چھریرے بدن کے خوبصورت انسان تھے۔ شہزادوں کی طرح عمدہ اور قیمتی لباس پہنتے تھے۔ پگڑی پر کلغی لگی رہتی تھی۔ وہ تیر، کمان، تلوار، ڈھال اور مالا اور دیگر ہتھیاروں سے لیس رہتے تھے۔ ان کا سب سے پیارا گھوڑا سرمئی رنگ کا تھا۔ جب وہ گدی پر بیٹھتے تھے یا شکار کے لیے جاتے تھے تو ان کے بائیں ہاتھ پر ایک باز بیٹھا ہوتا تھا۔

دوسرا باب

"میں نے اس مقصد کے لیے دنیا میں جنم لیا ہے
کہ دھرم کا پرچار کروں اور بدی کرنے والوں
کو نیست و نابود کر دوں۔"

گرو گوبند سنگھ
'وچتر ناٹک' میں

اپنے والد کی شہادت کے بعد گرو گوبند سنگھ نے آخر کار یہ فیصلہ کیا کہ وہ سکھ دھرم میں تبدیلی لائیں گے۔ مغل سامراج کے خلاف مسلح جدوجہد کے سوا کوئی اور چارۂ کار نہیں تھا۔ در حقیقت ان کے دادا چھٹے گرو ہرگوبند نے بھی پانچویں گرو ارجن کی شہادت کے بعد یہی کام کیا تھا۔ لیکن اُن کے بعد سکھ دھرم پھر پرسکون اور خاموش ہو گیا گرو نانک کی گدی پر حق جمانے کے لیے گرو کے رشتہ داروں نے ریشہ دوانیاں شروع کیں کچھ لوگ تو مطلب برآری کے لیے دلّی کے شہنشاہ کو اپنے ساتھ لانے سے بھی نہ ہچکچائے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ غیر ملکی حکومت کے خلاف متحد ہو کر ثابت قدمی سے جدوجہد کرنے کا موقع بھی ہاتھ سے جاتا رہا۔ شہنشاہ نے بھی گروؤں کے ان رشتہ داروں کی پیٹھ ٹھوکی کیونکہ ظاہر تھا کہ گرو کے رشتہ داروں کے ذریعہ گرو کے امور میں مداخلت

کے لیے مسلح تصادم کی بہ نسبت ان کے اثر و رسوخ کو کمزور کرنے کے لیے زیادہ فائدہ مند ثابت ہو گی۔ گرو گوبند سنگھ کے زمانے میں مسند یعنی گرو کے نام پر پیروؤں سے بھینٹ جمع کرنے کے لیے مقرر کئے گئے اہلکار اتنے طاقتور ہو چکے تھے کہ وہ سوچتے تھے کہ وہ گروؤں کو بنا اور ہٹا سکتے ہیں۔ وہ بھینٹ کا وافر حصہ اپنے پاس رکھ لیتے تھے۔ یہی نہیں وہ گرو کے بھگتوں سے روپیہ بڑے ظالمانہ طریقوں سے وصول کیا کرتے تھے اور ان سے اپنی پوجا بھی کرایا کرتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ گرو امرداس نے اپنی بیٹی کی بے لوث خدمت کا صلہ دینے کے لیے یہ فیصلہ کیا تھا کہ وہ گدی کی جانشینی کو اپنے گھرانے تک ہی محدود رکھیں گے۔ اس وقت سے گدی ورثہ میں پانے والوں کو ان کے نزدیکی رشتہ داروں نے چین نہیں لینے دیا تھا۔ گدی کے دعویداروں کے درمیان جائیداد، دولت اور وقار کا لالچ بہت بڑھ گیا تھا۔ ان کے لیے روحانی جاہ و جلال، ایثار، انکسار اور خدمت کا جذبہ کوئی دلکشی نہیں رکھتا تھا اور جو گدی کا اعزاز پانے کے لیے چنے جاتے تھے اُن میں یہ اوصاف کوٹ کوٹ کر بھرے ہوئے تھے۔

یہ انسانی زندگی کا ایک معجزہ ہی ہے کہ والد سے محروم نو برس کا بچہ جو طاقتور سلطنت کے بغض و عناد، رشتہ داروں کی شر انگیزیوں اور اہلکاروں کے مکر و فریب اور ظلم و ستم سے گھرا ہوا تھا۔ دنیا کے لیے روحانی تسکین کا پیغام لایا اور جس نے ان تمام ناقابلِ تسخیر دشواریوں پر قابو پانے کی بات سوچی۔ سب سے بڑی بات تو یہ تھی کہ گرو گوبند سنگھ ایک ہی زندگی میں اور مختصر سی زندگی میں وہ کام پورا کرنے کے خواب کی تکمیل کر پائے تھے جسے وہ کرنا چاہتے تھے۔ خواہش تصور کی خالق بن گئی اور تصور نے ایک زندہ حقیقت کا جامہ پہن لیا۔

گرو گوبند سنگھ کے خلاف اس قسم کی ناقابلِ تسخیر دشمن طاقتیں صف آرا تھیں۔ لیکن بہت سی باتیں ان کے حق میں بھی جاتی تھیں۔ اُن کے پیرو دور و نزدیک سارے ہندستان

لنکا، افغانستان، تبت اور وسطی ایشیا میں یعنی ہر اس جگہ پر پھیلے ہوئے تھے جہاں گرو نانک دیو کا مقدس نام پہنچ چکا تھا۔ ان کے تمام پیرو اُن کے گھرانے کے وفادار تھے وہ باقاعدگی سے نذرانہ دیتے تھے۔ سال میں ایک بار اُن کے دیدار کے لیے آتے تھے اور وہ گرو کے آدرش کے لیے ہر قربانی دینے کو تیار رہتے تھے۔ ان کے پیرووں میں زیادہ تر چھوٹے کسان، دستکار اور بیوپاری (کبھی کبھی اُن میں ریاستوں کے راجے اور امیر تاجر بھی شامل ہو جاتے) تھے اور ان سب کی زندگی کا صرف ایک ہی مقصد تھا کہ وہ گرو کے در سے اُن کی آشیرواد لے کر نجات حاصل کریں۔ گرو گوبند سنگھ چاہتے تھے کہ وہ مسندوں جیسے بچولیوں کو ایک طرف ہٹا کر ایک متحد تنظیم اور زیادہ عزم و حوصلہ اور ایثار کرنے والوں کی ایک تنظیم بنائیں اور اس میں روحانی امید و آرزو کے جذبے کے ساتھ ساتھ قوم پرستی کا جذبہ بھی کوٹ کوٹ کر بھر دیں۔

گرو گوبند سنگھ نے اپنے پیرووں کو یہ پیغام بھیجا کہ وہ جب گرو کے دیدار کے لیے آیا کریں تو راست طور پر گرو کے گھرانے ہی کو بھینٹ دیا کریں۔ اُن سے یہ بھی کہا گیا کہ اگر ممکن ہو سکے تو وہ نقد رقم اور اناج کے بجائے ہتھیار اور گھوڑے دیا کریں۔ انھوں نے جو فوج کھڑی کرنی شروع کی تھی اُس میں پیشہ ور سپاہیوں کو بھی لے لیا تھا۔ انھوں نے اپنے ساتھ رہنے والے لوگوں پر یہ پابندی لگا دی کہ وہ روحانی ترقی کے ساتھ ساتھ جسمانی ورزش بھی کیا کریں۔ انھوں نے ایک بہت بڑا نقارہ تیار کرنے کا حکم دیا جو صبح و شام شاہی علامت کے طور پر بجتا تھا۔ شکار کی مہمات گرو گوبند سنگھ کی زندگی کا روزمرہ کا معمول بن گئی تھیں اور وہ تمام اقسام کے ہتھیار چلانے کی مشق بھی کیا کرتے تھے لیکن جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے کہ وہ اپنی اور اپنے پیرووں کی روحانی تعلیم اور ضابطے سے غفلت نہیں برتا کرتے تھے۔ انھوں نے سنسکرت، فارسی، عربی اور پنجابی پر کافی عبور حاصل کر لیا تھا اور انھوں نے ان زبانوں میں قدیم و جدید ادب کا مطالعہ کیا۔ انھوں نے

پیروؤں کی ہمت بڑھائی کہ وہ بھی ایسا ہی کریں۔ صبح و شام پرارتھنا کی جاتی تاکہ ذہن پرماتما کے ساتھ ہم آہنگ رہے اور جو بھی دنیاوی کام کیے جائیں اُن میں پرماتما کے روبرو مکمل خود سپردگی کا جذبہ ہو۔

شوالک کے چند پہاڑی سردار بالخصوص کہلور (بلاسپور) کا راجہ بھیم چند گرو گوبند سنگھ کی سرگرمیوں پر خوفزدہ ہوگیا۔ صورتِ حال کو بھانپ کر مسند گرو کی ماں کے پاس آئے۔ اور اُنھوں نے منت سماجت کی کہ وہ گرو سے کہیں کہ وہ جنگی سرگرمیوں، نقارہ پیٹنے اور اپنی فوج میں پیشہ ور سپاہیوں کو بھرتی کرنے وغیرہ سے گریز کریں اور اپنا سارا وقت اپنے پیروؤں کی روحانی تعلیم پر صرف کریں[1]۔ مسندوں کو یہ اندیشہ بھی تھا کہ گرو گوبند سنگھ کی سرگرمیاں مسندوں کے وجود کے لیے خطرہ بن جائیں گی ـــــ یہی وجہ ہے کہ ان کا یہ رویہ مطلب سے خالی نہیں تھا۔

گرو گوبند سنگھ نے اپنی ماں کی التجاؤں کو نظر انداز کردیا۔ درایں اثناء آسام سے ایک سکھ رتن رائے گرو کے لیے چند بیش بہا تحفے لایا۔ ان میں ایک ہاتھی بھی تھا جو کئی طرح کے کرتب دکھاتا تھا[2]۔ وہ ایک ایسا ہتھیار بھی لایا جو پانچ ہتھیاروں کا کام دیتا تھا۔

---

[1] سکھ مورخ اس سلسلے میں اس بات کا حوالہ دیتے ہیں کہ چند سنیاسی گرو گوبند سنگھ کے پاس آئے اور اُنھوں نے یہ نکتہ چینی کی کہ وہ اپنے آپ کو ایشور بھگت بتاتے ہوئے بھی شان و شکوہ پر ریجھے ہوئے ہیں۔ گرو نے کہا ــ "میرے سکھ اپنے آپ کو دنیاوی مسرتوں سے محروم نہیں رکھیں گے لیکن وہ باطن میں ان سب سے بے نیاز ہوں گے۔"

[2] چند مورخین کا یہ کہنا ہے کہ وہ ایک جنگی ہاتھی تھا اور گرو کے حکم پر ڈھاکہ میں سکھ گردوارے کے ذریعہ چاٹگانگ کے راجا مانک رائے نے بطور تحفہ بھیجا تھا۔ کیونکہ یہ بات ڈھاکہ میں سنگت کے نام گرو کے دوسرے خط سے ظاہر ہوتی ہے۔ گرو نے بعد میں جو خط لکھا اس

وہ طلائی ساز و سامان سے لیس پانچ گھوڑے لایا ۔ ایک تخت جیسی چیز لایا جس میں سے کٹھ پتلیاں نکل کر شطرنج کھیلتی تھیں ۔ اور بہت سے قیمتی زیور اور پوشاکیں لایا ۔ سکھ مورخین لکھتے ہیں کہ رتن رائے آسام کے راجہ راجہ رام کا بیٹا تھا جو گرو تیغ بہادر کے دورۂ آسام میں ان کا بھگت بن گیا تھا ۔ کہا جاتا ہے کہ راجہ رام نے گرو سے بیٹے کا وردان مانگا تھا ۔ اس کی خواہش پوری ہوئی ۔ والد کی موت کے بعد نوعمر راجکمار گرو کے دیدار کے لیے آیا اور یہ قیمتی نذرانے لایا کیونکہ اس کا خاندان گرو کے گھرانے کا بہت احترام کرتا تھا ۔

بہرکیف گرو کی بڑھتی ہوئی طاقت اور اثر و رسوخ نے کہلور کے راجہ کو خوفزدہ کر دیا اور اس کے درباریوں نے گرو سے دوستی بنائے رکھنے کا مشورہ دیا ۔ لہٰذا راجہ گرو سے ملنے آیا ۔ جب اس نے گرو کے دربار کا جاہ و حشم ، ان کے پیرووں کی وفاداری اور عقیدت اور بڑھتی ہوئی فوجی طاقت دیکھی تو راجہ حسد کے مارے جل بھن کر رہ گیا ۔ گھر پہنچ کر اس نے گرو کے خلاف ایک چال سوچی کہ گرو اپنے قیمتی زر و مال میں کچھ حصہ اسے دیدے اور اگر گرو اپنے زر و مال کا کچھ حصہ نہ دے تو گرو کے بڑھتے ہوئے اثر و رسوخ کو کچلنے کے لیے اس سے جنگ کی جائے ۔ لہٰذا اس نے ایک ایلچی کے ذریعہ گرو کو پیغام بھجوایا کہ گرو آسام سے وصول ہونے والے تحائف اسے مستعار دیدے کیونکہ اس کے بیٹے کی سگائی سری نگر (گڑھوال) کے راجہ فتح سنگھ کی بیٹی سے ہو رہی ہے اور وہ اپنے زر و مال کی نمائش کرنا چاہتا ہے ۔ گرو نے اس کی بات ماننے سے انکار کر دیا کیونکہ وہ راجہ کی چال کو بھانپ گئے تھے ۔ راجہ نے اپنی ریاست کے ایک اور حاکم کے ذریعہ اپنی درخواست کا اعادہ کیا ۔ جسے یہ سمجھا دیا گیا تھا کہ اگر گرو

میں تحفہ وصول کرنے کا ذکر ملتا ہے ۔

گوبند سنگھ انکار کر دیں تو وہ اُن کو دھمکی بھی دے۔ لیکن گرو نے اسے بھی حقارت سے واپس بھیج دیا۔ 'سندوں' نے گرو کی والدہ کی وساطت سے گرو کے دل میں راجہ سے جنگ کا خوف بٹھانے کی کوشش کی لیکن وہ بھی اپنی کوشش میں ناکام رہے۔

دوسرے پہاڑی سرداروں نے ان اختلافات کی آگ کو بھڑکانے کی کوشش کی اور دونوں فریقین کے ساتھ اپنی وفاداری کا ڈھونگ رچایا اور ہر فریق کو اکسایا کہ وہ مسلح جنگ سے معاملہ کا تصفیہ کرے۔ غصّے سے آگ بگولا ہو کر راجہ نے ایک بار پھر گرو کی دولت ہتھیانے کی کوشش کی۔ اس نے ایک شہزادے کے ذریعے سے کہلوایا کہ گرو کا انکار راجہ کے اقتدارِ اعلیٰ اور اختیار کو ایک چیلنج سمجھا جائے گا اور گرو کو اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔ گرو نے راجہ کو اسی لب و لہجہ میں جواب دیا اور راجہ سے جنگ کی تیاریاں کرنے لگے۔

اُن دنوں ناہن کے راجہ کی طرف سے گرو کے نام ایک دعوت نامہ آیا کہ وہ ناہن آئیں اور دُون کی وادی میں شکار کھیلیں۔ کہا جاتا ہے کہ راجہ نے گرو کو یہ دعوت اِس لیے دی تھی کہ وہ سری نگر کے راجے فتح شاہ کا مخالف تھا اور یہ چاہتا تھا کہ اگر اُس پر حملہ ہو تو گرو گوبند سنگھ اُس کی مدد کریں۔ گرو نے دعوت قبول کر لی اور وہ اپنے خاندان اور پانچ سو مسلح اشخاص کے ساتھ جن میں زیادہ تر 'اُداسی' تھے نکل کھڑے ہوئے۔ آنند پور کی حفاظت کے لیے وہ کافی سپاہ وہاں چھوڑ گئے۔ ناہن کے راجہ اور گرو کی ملاقات کا بہت اچھا نتیجہ نکلا۔ گرو قدرتی مناظر سے بہت محظوظ ہوئے۔ اُنھوں نے پونٹا کے نزدیک جمنا کے کنارے اپنا پڑاؤ ڈال دیا۔ راجہ گرو کی شخصیت، شجاعت اور ان کے سکھوں کی ضابطہ پرستی اور عقیدت اور پرماتما پر ان کے اٹوٹ اعتقاد سے اس قدر متاثر ہوا کہ اس نے گرو سے درخواست کی کہ وہ زیادہ دیر تک وہاں رہیں۔ راجہ نے وعدہ کیا کہ وہ گرو اور ان کے آدمیوں کی رہائش کے لیے قلعہ تعمیر کرنے میں مدد دے گا۔ گرو کے پیروؤں نے گرو کو ترغیب دی کہ وہ راجہ کی تجویز منظور کر لیں۔

دراصل وہ یہ سوچ رہے تھے کہ آنند پور کے ارد گرد دشمنی کی جو فضا، موجود تھی اس سے چھٹکارا حاصل کریں۔

دریں اثنا گرو کی شہرت سری نگر کے راجہ فتح شاہ کے کانوں تک پہنچی اور وہ ان سے ملنے آیا۔ جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے کہ کاہن کے راجہ سے اس کی بنتی نہیں تھی۔ گرو نے بیچ بچاؤ کیا اور ان دونوں کو ایک دوسرے کے قریب لے آئے اور صلح کرا دی۔ گرو آس پاس کے جنگلوں میں شیر کا شکار کھیلنے جاتے تھے۔ ایک دن انھوں نے ڈھال اور تلوار سے شیر مار ڈالا۔ دونوں راجے اس بات سے بہت متاثر ہوئے۔ یہیں نزدیک کے ایک گاؤں سکر موڑا کے سید بدھو شاہ جو ایک بہت بڑے درویش مشہور تھے اور جن کے بارے میں آپ بعد میں کچھ اور پڑھیں گے گرو کے دیدار کے لیے آئے اور انھوں نے گرو کی خدمت کے لیے پانچ سو پٹھان بھی بھیجے جن کو مغل فوج سے نکال دیا گیا تھا۔

یہاں پونٹا ہی میں گرو نے شجاعت اور حمدِ الٰہی سے بھرپور بہت سی نظمیں لکھیں۔ بعد میں ان سب نظموں کو دسم گرنتھ میں جمع کر دیا گیا۔ اس گرنتھ میں وہ نظمیں بھی جمع کر دی گئیں جو اُن کی وفات کے بعد دستیاب ہوئیں[1]۔ انھوں نے شجاعت سے بھرپور جنگ

---

[1] "دسم گرنتھ" "آدی گرنتھ" کی طرح ۱۴۳۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ تمام دستیاب شہادتوں کے مطابق دسم گرنتھ کو بھائی منی سنگھ نے مرتب کیا جو ایک خدا پرست دیندار اور عالم سکھ تھے اور گرو دوارہ ہر مندر صاحب کے نگہبان تھے (جو بعد میں شہید ہوئے) دسم گرنتھ گرو گوبند سنگھ کے انتقال کے ۲۶ سال بعد دمدمہ میں مرتب کیا گیا۔ لیکن چند مورخین کہتے ہیں کہ گرو جی نے آدی گرنتھ کو نہیں بلکہ اپنے گرنتھ کو ہی دمدمہ میں ان سے لکھوایا تھا گرو گوبند سنگھ بولتے جاتے تھے اور بھائی منی سنگھ لکھتے جاتے تھے۔ بہرکیف اس گرنتھ کے بہت سے حصے بڑے اختلافات کا موضوع ہیں۔ جو یہ کہتے ہیں کہ اس گرنتھ

کی دیوی چنڈی سے متعلق جس نے راکشسوں کو نیست و نابود کر دیا اور بھگوان رام اور بھگوان کرشن سے متعلق کہانیوں کو ہندی میں لکھوانے کے لیے اپنے دربار میں ۵۲ شاعر ملازم رکھے۔ انھوں نے اُن شاعروں کو بہت سا انعام و اکرام دیا۔ اُن کی تخلیق "وچتر ناٹک" میں اِس طرح کی خود نوشت سوانحعری ہے۔ اس میں ان کی وہاں کی اور بعد میں آنند پور کی زندگی کے بارے میں بہت ہی دلچسپ اور ہمت افزا باتیں لکھی گیئں ہیں۔ اُن کی تخلیق "تیتی کا دیہ" یا روایتی شاعری میں گرو کا فنِ سخن گوئی، پرواز تخیل، لفظوں کے انتخاب اور عروض پر اُن کی دسترس کے اعتبار سے بے مثال ہے۔ ہندوستان کی شاعری میں ایسے کوئی اوزانِ شعر نہیں ہیں جنھیں اس پختہ کار عظیم استاد نے استعمال نہ کیا ہو۔ (انھوں نے ۲۵۰ اوزانِ شعر استعمال کیے) اور ہندوستانی شاعری میں ایسی کوئی کیفیت نہیں ہے جسے وہ اپنی گرفت میں نہ لائے ہوں۔ ان کے اشعار میں وہ قوت و توانائی

کے گرو مصنف نہیں ہیں بلکہ اُن کے دربار کے ۵۲ شاعر اس کے مصنف ہیں۔ گرنتھ زیادہ تر برج بھاشا میں ہے اور اس کی فہرستِ مضامین یہ ہے۔ (۱) جپ (دھیان)، (۲) اکال استتش یا حمد خدا اور رسومات، توہم پرستی اور ظاہرداری کو ترک کرنا۔ (۳) چنڈی چرتر جنگ کی دیوی، چنڈی کا افسانۂ زندگی۔ (۴) وار۔ دیوی درگا سے متعلق رزمیہ نظم۔ درگا کے جنگی کارنامے۔ (۵) گیان پربودھ (۶) چوبیس اوتار۔ ہندوؤں کے مطابق بھگوان کے اوتار۔ برہم اوتار اور رودر اوتار۔ (۷) شبد ہزارے۔ حمد و ثنا کے گیت۔ (۸) تینتیس ۳۳ سویئے۔ لافانی اور ناقابلِ ادراک خدا کی تعریف۔ جو سراسر ایک چمتکار ہے۔ (۹) خالصہ مہیما۔ خالصہ کی تعریف۔ (۱۰) شستر نام مالا۔ بہت سے ہتھیاروں کی تعریف (۱۱) چرتر دیا کھیان۔ تریاچرتر کی ۴۰۴ کہانیاں (۱۲) ظفر نامہ۔ فارسی میں اورنگ زیب کے نام نامۂ فتح۔ (۱۳) حکایات۔ روایات اور کہانیاں۔

ہے کہ ان کو پڑھنے اور سننے سے دل میں جوش پیدا ہوتا ہے۔ ان کی رزمیہ شاعری ہندوستانی ادب میں خاص طور سے عدیم المثال مقام رکھتی ہے۔

ان ہی دنوں انھوں نے یہ سنا کہ گرو ہری رائے کے بیٹے رام رائے کو جو گرو گوبند سنگھ کا چچیرا بھائی تھا۔ (جو شہنشاہ اورنگ زیب کے سامنے گرو نانک کے شعر کی غلط تشریح کیے جانے پر محض شہنشاہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اپنے والد سے لڑ پڑا تھا اور جس نے دہرہ دون میں اپنی گدی قائم کر لی تھی) ۔ مراقبے کے دوران جبکہ وہ ابھی وجد کے عالم میں تھا اور مرا نہیں تھا۔ اس کے نمائندوں یعنی مسندوں نے زندہ جلا دیا تھا۔ مسند رام رائے کی ساری جائیداد ہڑپ کرنا چاہتے تھے اور اس کے جانشین بننا چاہتے تھے۔ پونڈا میں گرو گوبند سنگھ کو اس المناک واقعے سے آگاہ کیا گیا اور رام رائے کی بیوی پنجاب کور نے مسندوں کو کچلنے کے لیے گرو گوبند سنگھ سے مدد مانگی ۔ گرو اپنے اختلافات کو بھول گئے اور فوراً دہرہ دون چلے گئے جب انھوں نے مسندوں کے گناہوں اور مظالم کا قصہ سنا تو مسندوں کو سخت سزا دی گئی۔ کہا جاتا ہے کہ ان میں سے چند مسندوں کو زندہ جلا دیا گیا۔ چند مسند فرار ہو گئے اور جو مسند پنجاب کور کے فرمانبردار رہے ان کو انعام دیا گیا۔

اب بھیم چند کے بیٹے کے ساتھ راجہ فتح شاہ کی بیٹی کی شادی کا دن آپہنچا ۔ راجہ فتح شاہ نے گرو کو دعوت دی کہ وہ اس کے گھر آکر شادی کی تقریب میں شرکت کریں۔ لیکن گرو نے وہاں اپنا ایلچی بھیجا جو پانچ سو گھوڑوں کے ساتھ قیمتی تحفے لے کر گیا۔ سری نگر میں گرو کے ایلچی کا بھاری استقبال کیا گیا۔ جب بارات پونڈا کے نزدیک پہنچی تو انھوں نے گرو کو راستے میں پڑاؤ ڈالتے ہوئے دیکھا ۔ راجہ بھیم چند کو خطرہ محسوس ہوا ۔ راجہ بھیم چند نے اپنا ایک ایلچی گرو کے پاس بھیجا کہ وہ اسے حفاظت سے گزر جانے دیں۔ گرو نے کہا کہ انھیں دولہا سے کوئی عداوت اور شکایت نہیں ہے۔ وہ صحیح و سلامت اپنے خادموں کے ساتھ اُدھر سے گزر سکتا ہے لیکن

باقی بارات جس میں راجہ بھیم چند شامل ہے، دوسرے راستے سے جائے تاکہ دونوں طرف کے آدمی مشتعل نہ ہوں۔ اس وقت تو راجہ یہ بات مان گیا لیکن اس کی انا کو سخت ٹھیس لگی اور اس نے حلف اٹھایا کہ شادی ہو جانے کے بعد وہ بدلہ لے گا۔ جب بارات سری نگر پہنچی تو باراتیوں نے سخت اعتراض کیا اور کہا کہ دلہن کا گھرانہ گرو گوبند سنگھ کے تحائف ہرگز قبول نہ کرے۔ فتح شاہ سے کہا گیا کہ اگر وہ اپنے بھائی راجوں کے ساتھ مل کر گرو سے نہیں لڑے گا تو اس کی بیٹی کے ساتھ بھیم چند کے بیٹے کی شادی منسوخ کر دی جائے گی۔ گرو کے لوگوں کو مایوس ہو کر آنا پڑا۔ راستے میں بھیم چند کی فوجوں نے انہیں روکا اور لوٹنے کی کوشش کی۔ لیکن گرو کے سپاہیوں نے اپنی بے خطا اور تباہ کن نشانہ بازی سے دشمن کا صفایا کر دیا اور وہ صحیح سلامت پونٹا پہنچ گئے۔ لیکن جلد ہی ان کو یہ خبر ملی کہ پہاڑی سردار گرو کے گھر واپس جاتے وقت گرو پر بڑا حملہ کرنے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ جب گرو نے یہ خبر سنی تو وہ اپنی فوجوں کو چھ میل آگے لے گئے۔ ایک ایسی جگہ پر جسے بھنگانی کہتے ہیں۔ اور وہاں وہ پہاڑی سرداروں کی مشترکہ فوج سے لوہا لینے کا انتظار کرنے لگے[ؔ]۔ جب سکھ سپاہیوں کو آگے بڑھنے کا حکم ملا تو وہ یہ خبر سن کر جوش میں آ گئے تھے لیکن پٹھانوں نے یہ سوچا کہ گرو اس وقت زیادہ تر ان پر دار و مدار رکھتے ہیں۔ انھوں نے یہ فیصلہ کیا کہ وہ دوڑ کر دشمن سے جا ملیں گے۔ جو ایسے نازک موقع پر ان کو بھاری رقم انعام میں دے گا۔ گرو نے ان کو اس غداری سے روکنے کی بہت کوشش کی مگر وہ ٹس سے

[ؔ] بیز جی وچتر ناٹک کو بنیاد بنا کر جس میں بھیم چند کا کوئی ذکر نہیں ہے یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ گرو گوبند سنگھ پونٹا میں کم سے کم تین سے پانچ برس تک رہے اور سرمور گزٹ میں بھی یہ ذکر ملتا ہے کہ بھنگانی کی جنگ گرو پر بھیم چند نے نہیں بلکہ فتح شاہ نے ٹھونسی تھی۔ بھیم چند نے بعد میں آنند پور میں گرو کا استقبال کیا تھا تاکہ اپنے اوپر مغلوں کے دباؤ کا مقابلہ کر سکے۔

مس نہ ہوئے اور اپنی ضد پر قائم رہے۔ گرو نے بدھو شاہ کو پیغام بھیجا کہ اُس کے آدمی دھوکہ دے رہے ہیں۔ مسلم درویش کو اتنا صدمہ ہوا کہ وہ اپنے چار بیٹوں اور ایک بھائی اور اپنے سات سو مریدوں کے ہمراہ گرو کی خدمت کے لیے آگیا۔

گرو نے پانچ سو اداسیوں کو بھی جنگ کی تیاری کا حکم دیا جو اُن کے ہمراہ آئے تھے لیکن سارے اداسی اپنے لیڈر کرپال کے سوا جان بچا کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ جو جنگ گرو پر تھوپ دی گئی تھی وہ گھمسان کی بھیانک جنگ تھی۔ بدھو شاہ کے آدمی اور رشتہ دار سکھوں کے ساتھ ساتھ بڑی بہادری سے لڑے۔ مہنت کرپال جو اُداسی تھا اپنے سونٹے سے لڑا۔ اس نے دشمن کا قیمہ کر دیا۔ اور ہلاک ہونے والے دشمنوں میں بھگوڑا پٹھان جرنیل حیات خاں بھی تھا۔ گرو نے توپ بھی استعمال کی جو بنارس کے رہنے والے اُن کے ایک سکھ نے جس کا نام رام سنگھ تھا تیار کی تھی۔ ایک حلوائی جس کا نام لال چند تھا اور جس نے کبھی ہتھیار چھوا تک نہیں تھا ایسی بہادری سے لڑا کہ تربیت یافتہ پٹھان بھی حیران رہ گئے۔ اس نے بہت سے پٹھانوں کو تہ تیغ کر دیا۔ ایک بہادر راجہ ہری چند کھیت رہا۔ گرو کا چچیرا بھائی سانگو شاہ شہید ہوا۔ پیر بدھو شاہ کے دو بیٹے میدانِ جنگ میں کام آئے۔ لیکن دشمن کا اتنا زیادہ جانی نقصان ہوا کہ وہ سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ کھڑا ہوا[1] گرو نے گرو

---

[1] وچتر ناٹک میں گرو بڑے جوش و خروش کے ساتھ اشعار میں بھنگانی کی جنگ کا ذکر کرتے ہیں اور بعد میں لڑی گئی نادون کی جنگ کا اور اپنے خلاف دلاور خاں، حسین خاں اور شہنشاہ کے بیٹے (بعد میں جو بہادر شاہ کہلایا) کی مہمات کا ذکر کرتے ہیں جس نے مرزا بیگ اور چار دیگر جرنیلوں کو اپنی طرف سے بھیجا تھا۔ ان لوگوں نے گرو کی جانب بڑھنے کے بجائے پہاڑیوں میں اُن لوگوں کو لوٹ لیا جو بھاگ کر وہاں چلے گئے تھے۔ ان میں آنند پور کے چند دولت مند لوگ بھی تھے جن پر گرو نے بڑے تیکھے طنز کیے ہیں۔

کے آدرش کی خدمت کے صلے میں پیر بدھو شاہ کو ایک کرپان، ایک کنگھی اور اپنا ایک بال دے کر آشیرواد دی ۔ یہ چیزیں مقدس یادگار کے طور پر اب بھی نابھہ کی سابق ریاست میں محفوظ ہیں ۔

تیسرا باب

"اے لوگو! تم نے مجھے سربلند کیا ہے ورنہ دُنیا
میں مجھ جیسے کروڑوں غریب پڑے ہیں ــــــ"

گروگوبند سنگھ

پونٹا میں غالباً تین سال تک (۱۶۸۴ء سے ۱۶۸۶ء تک) قیام کے بعد گرو آنند پور واپس آگئے۔ راستے میں ناہن کا راجہ بھی اُن کے استقبال کے لیے نہ آیا جیسی کہ اس سے توقع تھی۔ اسے اپنے راجا بھائیوں کے غصے کا ڈر تھا جو گرو کی فوجوں کے ہاتھوں بُری طرح پٹے تھے۔ لیکن آنند پور کے باشندوں نے ان کا پرجوش خیر مقدم کیا۔ گرو نے وہاں ایک قلعہ تعمیر کیا اور اس کے گرد مضبوط اور بلند فصیل کھنچی گئی۔

دور و نزدیک سے سکھ گرو کے دیدار کے لیے آنے لگے۔ ان کو درویش سپاہی کی حیثیت سے بڑی شہرت نصیب ہوئی تھی اور ان کی یہ شہرت شاعروں، موسیقاروں اور صوفیوں کے علاوہ بہادر نوجوانوں کو بھی اپنی طرف کھینچنے لگی حسبِ معمول شکار کی مہمات شروع ہوئیں۔ کبھی کبھی جو سکھ ان کی جماعت سے بھٹک کر بچھڑ جاتے تھے وہ بھی خلافِ توقع جوش و خروش کا اظہار کرنے لگے۔ حالیہ فتح نے ان کے حوصلے دو چند کر دیے تھے۔ گرو ان کو ہدایت اور منع کرتے۔ لیکن پھر بھی وہ شائستہ طور و اطوار کے

حدود کو پار کر جاتے خاص طور پر اس وقت جبکہ انھیں قیمت ادا کرنے پر بھی گھوڑوں کے لیے چارہ اور گوشت کے لیے بکریاں نہیں ملتی تھیں اس سے گرو کو بہت دکھ محسوس ہوتا تھا۔ راجہ بھیم چند اپنی شکست اور گرو کی بڑھتی ہوئی طاقت پر بوکھلایا ہوا تو تھا، ہی لیکن اس کے ساتھ ساتھ اُسے اپنی ریاست میں اپنا بھرم بنائے رکھنے کی بھی فکر تھی۔ اس نے اپنے مشیروں سے صلاح مشورہ کیا کہ گرو کے بڑھتے ہوئے اثر و رسوخ کو کیسے روکا جا سکتا ہے۔ اسے یہ مشورہ دیا گیا کہ وہ گرو سے مفاہمت اور مصالحت کرے کیونکہ یہی بات ان کے مفاد میں تھی اور ضرورت پڑنے پر مغلوں کے خلاف مشترکہ محاذ قایم کیا جا سکتا تھا۔

اس خیال کو مدنظر رکھتے ہوئے ایک ایلچی گرو کا منشا جاننے کے لیے بھیجا گیا۔ گرو نے بڑی فراخدلی سے اس تجویز کا خیر مقدم کیا۔ گرو کے مرتبے اور ان کے روحانی مزاج سے یہی توقع تھی۔ انھوں نے کہا۔ "میرا کسی سے کوئی جھگڑا نہیں، میں دھرم کا پرچار کرنے کے لیے امن چاہتا ہوں ــــ میرے والد نے ہندوؤں کے دھرم کی حفاظت میں اپنا سر نچھاور کر دیا اور میں یہاں ایک مردہ قوم میں نئی روح پھونکنے کی کوشش کر رہا ہوں لیکن پہاڑی سردار مجھ سے تعاون نہیں کر رہے ہیں اور بلا مقصد میرا مقابلہ کرتے ہیں اور مجھ پر حملہ کرتے ہیں۔ میرے پیرو نقد روپیہ دے کر بھی نواحی دیہات سے اپنی ضرورت کی اشیا، نہیں خرید سکتے۔ راجہ میرے خلاف اپنے دل میں ایسی دشمنی کی پرورش کر رہا ہے۔ ہم نے ایک بار بھی اس پر حملہ نہیں کیا۔ لیکن اب ہم اپنی عزت کی حفاظت کرنے کا تہیہ کر چکے ہیں۔"

ایلچی نے گرو سے التجا کی کہ وہ ماضی کو بھول جائیں اور راجہ کے علاقوں کو اپنے علاقے سمجھیں۔ گرو نے جواب دیا۔ "میرے گھر میں جو بھی دوستی کے ارادے اور انکسار کے ساتھ آتا ہے اس کا باہیں پھیلا کر خیر مقدم کیا جاتا ہے ــ جو لوگ یہ

چاہتے ہیں کہ انھیں معاف کر دیا جائے ہم اُن کے خلاف اپنے دل میں کوئی رنجش نہیں رکھتے ہیں۔" راجہ بھیم چند نے جب یہ بات سنی تو وہ بہت خوش ہوا اور بے شمار تحائف لے کر گرو سے ملاقات کی تیاریاں کرنے لگا۔ گرو نے بھی اسے خلعت عطا کیا۔ ایسا دکھائی دیتا تھا کہ اب دونوں میں مکمل مفاہمت ہو چکی ہے۔

ان ہی دنوں شہنشاہ اورنگ زیب نے جموں کے صوبیدار میاں خاں کو حکم دیا کہ وہ خراج حاصل کرنے کے لیے پہاڑی سرداروں پر چڑھائی کرے۔ چند مورخین کے بیان کے مطابق پہاڑی سرداروں نے خراج دینے سے انکار کر دیا تھا۔ اور گرو نے ان کو ایسا کرنے پر اکسایا تھا۔ شہنشاہ کے حکم کے مطابق جموں کے صوبیدار نے اپنے سپہ سالار الف خاں کو یہ کام کرنے کے لیے بھیجا۔ دوسرے پہاڑی سرداروں نے الف خاں سے کہا کہ راجہ بھیم چند چونکہ اُن میں سب سے بڑا راجہ ہے اس لیے اس سے کہا جائے کہ پہلے وہ خراج ادا کرے۔ اگر اُس نے خراج ادا کر دیا تو باقی سب راجے بھی خراج ادا کر دیں گے۔ مغل جرنیل نے اپنا ایک ایلچی راجہ کے پاس بھیجا کہ وہ جنگ کی دھمکی دے کر راجہ سے خراج طلب کرے۔ راجہ بھیم چند نے ایلچی کو بتایا کہ وہ خراج دینے کے بجائے جنگ لڑنا چاہتا ہے۔ راجہ کے مشیروں نے اسے یہ صلاح دی کہ وہ اس نازک موقع پر گرو سے مدد مانگیں۔ اگر مغلوں کو ایک بار جنگ میں منہ توڑ جواب دے دیا گیا تو وہ دیر تک ان کو امن سے رہنے دیں گے۔ ورنہ ان کے مطالبات کی کوئی حد نہیں رہے گی۔ اور اس طرح راجہ اور گرو کے گھرانے کے درمیان تعلقات اور بھی مضبوط ہو جائیں گے اور بلاسپور کا گھرانا تمام پہاڑی سرداروں کا قائد بن جائے گا۔

جب راجہ کا وزیر اعظم گرو کے حضور میں امداد کی درخواست لے کر پہنچا تو اس نے کچھ اتنی لجاجت سے التجا کی کہ گرو انکار نہ کر سکے۔ ایلچی نے کہا "ہم نانک کے گھرانے کی حفاظت میں ہیں اگر آپ ہمارے رہنما اور شمع منزل بنیں تو مغل ہمارا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے۔" گرو نے اس کی درخواست منظور کر لی اور اپنی فوجوں کو تیاری کا حکم دے دیا۔ دریں اثنا

الف خاں جن پہاڑی سرداروں سے نذرانے وصول کر چکا تھا۔ خاص طور پر کانگڑہ اور بجھڑوال کے راجہ سے جو راجہ بھیم چند، گرو گوبند سنگھ اور دیگر سرداروں کے خلاف الف خاں کے اتحادی بن گئے تھے۔ متفقہ منظوری سے گرو گوبند سنگھ کو اتحادی فوجوں کا سپہ سالار بنا دیا گیا۔ دشمن کو اپنے قلعہ سے نکال کر کھلے میدان میں اتحادی فوجوں کو للکارنا پڑا۔ دشمن نے خوب دادِ شجاعت دی۔ بھیم چند پسپا ہونا چاہتا تھا لیکن اس وقت گرو خود میدان میں کود پڑے اور انھوں نے بجھڑوال کے سردار دیال کو للکارا اور اپنی بندوق کی گولی سے اس کا سینہ چھید دیا۔ ان کے تیروں نے دشمن فوجوں کی صفوں میں تباہی پھیلادی اور سکھ کچھ اس طرح جی توڑ کر لڑے کہ دشمن اندھیرے کے پردے میں میدان سے بھاگ کھڑا ہوا۔

گرو گوبند سنگھ واپس آنند پور آگئے۔ راستے میں ایک بار پھر ان کو دیہاتیوں کے عناد کا سامنا کرنا پڑا۔ انھوں نے گرو کی فوج کے ہاتھ چارہ اور اناج فروخت کرنے سے انکار کر دیا۔ سپاہیوں نے طاقت سے وہ چیزیں حاصل کرلیں جن کی انھیں ضرورت تھی۔ لیکن انھوں نے ان چیزوں کی قیمت ادا کر دی۔ اس بات نے پہاڑی سرداروں کو پھر خوفزدہ کر دیا۔ گرو آنند پور پہنچے۔ وہاں تھوڑے عرصے کے لیے امن رہا۔ ان کی فوجوں کی تعداد میں اضافہ ہوا۔ پنجاب کا گورنر دلاور خاں بھی خوفزدہ ہوگیا[1] اس نے گیارہ سو آدمیوں پر ایک مہم اپنے بیٹے کی قیادت میں بھیجی کہ وہ گرو کو خراج دینے پر مجبور کرے یا گرو کو آنند پور

---

[1] اورنگ زیب کس قدر خوفزدہ ہوا اس کا ثبوت "اخباراتِ دربارِ معلیٰ کی جلد (۱) کے ۲۰ نومبر ۱۶۹۳ء کے شمارے سے ملتا ہے "سرہند کی خبریں۔ گوبند نے اعلان کیا ہے کہ وہ گرو نانک ہے۔ فوجوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ گرو کو فوجیں جمع کرنے سے روکیں۔"

سے نکال باہر کرے۔ گرو کے بعد ہر پہاڑی سردار کو ایسا ہی نوٹس دیا جائے یا جنگ لڑ کر اس کو سرنگوں کیا جائے۔ یہ محسوس کر کے طوفان آنے والا ہے بہت سے لوگ آنند پور سے چلے گئے۔ لیکن گرو کی فوجوں نے ستلج کے کناروں پر پیش قدمی کرتے ہوئے مغل فوجوں کا مقابلہ کیا اور اُن کو دنداں شکن شکست دی۔ اب دلاور خاں نے دوسری مہم بھیجی اس دفعہ فوج کی قیادت اس کا غلام جرنیل کر رہا تھا۔ جس کا نام حسین تھا۔ حسین نے جبر و تشدد سے ایک گاؤں کے بعد دوسرا گاؤں لوٹ لیا۔ راجہ بھیم چند اس قدر خوفزدہ ہو گیا کہ اس نے سوچا کہ گرو کا اتحادی بننے کے بجائے حسین کا اتحادی بننا بہتر رہے گا۔ اس لیے اس نے جتنا خراج طلب کیا اُس نے چپ چاپ دے دیا۔ دوسرے راجوں نے بھی ایسا ہی کیا۔ یہی نہیں بلکہ وہ سب حسین کے ساتھ مل گئے اور اپنی اپنی فوجوں کے ساتھ مغلوں کے ہمراہ آنند پور کی طرف بڑھے۔

آنند پور جاتے ہوئے مغل جرنیل گولر کے سردار راجہ گوپال کے ساتھ فیصلہ کر لینا چاہتا تھا کہ جس نے اپنے ساتھی راجوں کی طرح اطاعت قبول نہیں کی تھی۔ دراصل جس قدر اس سے خراج مانگا گیا تھا وہ دے نہیں سکتا تھا۔ اس نے گرو کی مدد حاصل کرنے کے لیے ایلچی بھیجا۔ گرو نے پہلے اس کے اور دیگر سرداروں کے درمیان مصالحت کرانے کی کوشش کی تاکہ وہ مل کر مغلوں کے حملے کا مقابلہ کر سکیں۔ لیکن یہ تجویز کارگر ثابت نہ ہوئی اس کے ایک ساتھی راجہ نے جال بچھا کر اسے پکڑنا اور ہلاک کرنا چاہا لیکن وہ اُچک کر نکل گیا۔ اس کے لیے اس کے پاس مغلوں اور کانگڑہ اور بلاسپور کے راجوں کی مشترکہ فوجوں سے لڑنے کے سوا کوئی اور چارہ نہ رہا۔ گرو نے اس کی امداد کے لیے اپنے کچھ سپاہی بھیجے۔ مگران میں سے زیادہ تر کو میدانِ کارزار میں تہ تیغ کیا گیا۔ لیکن اس جنگ میں مغل جرنیل اور کانگڑہ کا راجہ بھی کام آیا۔ بھیم چند اپنی فوج لے کر بھاگ کھڑا ہوا۔ گوپال کی فتح ہوئی۔ وہ بہت سے تحائف لے کر گرو کو خراج ادا کرنے

آیا۔ لیکن اُن کے مصائب یہیں ختم نہ ہوئے۔ اورنگ زیب بہت آگ بگولا ہوا۔ اُس نے پہاڑی سرداروں کو سزا دینے کے لیے اپنے بیٹے کو بھیجا۔ (بعد میں جو بہادر شاہ کے نام سے تخت پر بیٹھا) اُس نے اپنی جگہ مرزا بیگ اور دیگر چار مشہور جرنیلوں کو بھیج دیا کہ وہ جا کر پہاڑی سرداروں کو مطیع بنائیں اور اُن کو سزا دیں۔ انھوں نے بڑی سنگدلی سے یہ کام پورا کیا۔ پہاڑی سرداروں کو کمر توڑ شکست دی۔ ان کے علاقوں کو لوٹ لیا۔ اور جلا دیا۔ دیہات میں قیدیوں کا سر مونڈ کر اور ان کو گدھوں پر بٹھا کر جلوس نکالا گیا۔ اُن قیدیوں میں چند لوگ ایسے بھی تھے جو گرو کو چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ جنھوں نے اپنے زر و مال کے ساتھ پہاڑیوں میں پناہ لی تھی۔

یہاں یہ ذکر کر دینا ضروری ہے کہ گرو نے اس عرصے میں دو شادیاں کیں۔ انھوں نے یہ شادیاں نو عمری میں کیں۔ دو دلہنیں تھیں جن کے بارے میں ان کے والدین کا یہ دعویٰ تھا۔ کہ انھوں نے ان کو گرو کے گھرانے کے لیے ہی پالا تھا۔ ایک ماتا سندری تھی جس نے ایک بیٹے کو جنم دیا اور جس کا نام اجیت سنگھ تھا۔ (۱۶۸۶) اور دوسری ماتا جیتو جی تھی۔ اس کے یہاں تین بیٹے جھار سنگھ (۱۶۹۰) زور آور سنگھ (۱۶۹۶) اور فتح سنگھ (۱۶۹۹) ہوئے۔[1]

ایک دن بنارس کا ایک بہت ہی مشہور برہمن جس کا نام کیشو داس تھا گرو سے ملنے آیا اس نے دعویٰ کیا کہ اگر اسے ہون رچانے میں مدد دی جائے تو وہ دیوی چنڈی یا درگا اور جسے کالی بھی کہتے ہیں کے دیدار کرا سکتا ہے۔ اس نے کہا کہ بھاری تپسیا سے دیوی نمودار ہوگی۔

---

[1] بعد میں ۱۷۰۰ء میں ماتا جیتو جی کی موت پر ایک سکھ نے گرو سے درخواست کی کہ اس نے بھی یہ حلف اٹھایا ہے کہ وہ اپنی بیٹی صاحب کور کی شادی گرو کے سوا کسی اور سے نہیں کرے گا۔ گرو نے کافی ہچکچاہٹ کے بعد اس کی درخواست منظور کر لی۔ صاحب کور نے یہ بات مان لی کہ وہ بے اولاد رہے گی۔ گرو کے آشیرواد سے وہ خالصہ کی ماں بنی جیسا کہ ہم بعد میں دیکھیں گے۔

مگر پوجا پاٹھ اس جیسا شخص ہی کرے گا۔ اس نے گرو کے مریدوں کو یہ یقین دلانے کی کوشش کی کہ جس پر دیوی کی نوازش ہوگی اسے وردان ملے گا۔ ایسا شخص جنگ میں کبھی مرے گا نہیں۔ اس نے یہ بھی کہا کہ قدیم زمانے میں بھیم اور ارجن جیسے سورما چونکہ دیوی درگا کے بھگت تھے اس لیے ان کو ہر جنگ میں کامیابی نصیب ہوتی تھی۔

سکھوں پر اس برہمن کی باتوں کا جادو چل گیا اور انھوں نے گرو کے سامنے اس کی درخواست کی حمایت کی۔ گرو نے جواب دیا۔ ”دیوی اور دیوتا بھی خدائے واحد کے حکم کے پابند ہیں جو تمام کائنات پر محیط ہے۔ ہمیں ایشور ہی سے وردان مانگنا چاہیے۔ وہی انسان کو اپنی قسمت سنوارنے اور بگاڑنے کی طاقت دیتا ہے بشرطیکہ انسان اپنے آپ کو اس کے سپرد کر دے۔ اور اس کے آدرش کے لیے جدوجہد کرے۔“[1]

---

[1] ڈاکٹر گوکل چند نارنگ لکھتے ہیں ”گرو سچے اور لافانی خدا کے سوا کسی بھی دیوی دیوتا پر اعتقاد نہیں رکھتے تھے۔ شاید انھوں نے اپنے مریدوں کو یہ دکھانے کے لیے ایسی کوئی طاقت نہیں ہے یا لوگوں کو یہ دکھانے کے لیے کہ وہ لوگوں کی عزیز ترین دیوی کے منظور نظر تھے اور اس میں کوئی شک بھی نہیں تھا۔ (تمام مؤرخین اس بات پر اتفاق کرتے ہیں) گرو نے دیوی کے آگے عظیم قربانی کا اہتمام کرنے کا حکم دیا تھا کہ دیوی نمودار ہو جائے۔ کہتے ہیں کہ یہ تقریب ایک سال تک جاری رہی۔ اور اس وقت جب درگا اشٹمی پھر آگئی۔ گرو نے تقریب کی صدارت کرنے والے پجاری سے پوچھا کہ دیوی کب ظہور پذیر ہوگی۔ پنڈت نے کہا کہ دیوی صرف اسی صورت میں نمودار ہوگی کہ اگر کوئی اونچی ذات کا دھرماتما اور پاکباز شخص قربان گاہ پر اپنی بھینٹ دے گا اور اپنا سر کاٹ کر آگ میں پھینک دے گا۔ گرو بظاہر بہت خوش ہوئے انھوں نے ہونٹوں پر طنزیہ تبسم لاکر کہا۔ ”ہمیں آپ سے زیادہ پاکباز اور دھرماتما شخص اور کہاں ملے گا جس کا سر دیوی کے لیے موزوں بھینٹ ثابت ہو۔“

گرو نے پھر تلوار میان سے باہر نکال لی اور کہا ”یہ تلوار قوت کی دیوی کا حقیقی مظہر ہے۔ یہ چمکتا ہوا فولاد جس سے بدی کو شکست دی جاتی ہے اور نیکی کی حفاظت کی جاتی ہے اور اسے سرفراز کیا جاتا ہے جو شخص صداقت کے آدرش کے لیے اس تلوار کا امرت چکھے گا۔ اس پر پرماتما مہربان ہوگا۔“

اس کے بعد گرو نے چند شعر سنائے جس میں یہ ثابت کیا گیا تھا کہ طاقت لوگوں میں ہوتی ہے۔ اپنے مریدوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے انھوں نے کہا۔

”میں نے تمھاری بدولت جنگیں جیتی ہیں۔ تمھاری سخاوت کی بدولت میں نے غریبوں میں خیرات تقسیم کی ہے۔ تمھارے ہی ذریعہ میرے دُکھ دور ہوئے ہیں اور تمھاری ہی نوازش سے میرا گھر مادی نذر و مال سے بھرا ہوا ہے۔ تمھاری ہی عنایت سے میں نے اپنے دشمنوں پر قابو پایا ہے۔ تمھاری ہی بدولت سے مجھے عقل و دانش کا سبق ملا ہے۔ میں سربلند ہوں کیونکہ تم نے اے لوگو مجھے سربلند کیا ہے۔ ورنہ مجھ جیسے سینکڑوں بدنصیب اور بے یار و مددگار آوارہ گھوم رہے تھے۔“

انھوں نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا ”جو لوگوں کی خدمت کرتے ہیں وہ مجھے پسند ہیں۔ میرے دل و دماغ کو کوئی اور بات اچھی نہیں لگتی۔ اگر آپ سے ممکن ہو سکے تو اُن ہی کو نذرانہ بھینٹ کیجیے کیونکہ اُن کے سوا اور کوئی نذرانہ قبول کرنے کے

پنڈت دم بخود رہ گیا۔ اور جھوٹا بہانہ بنا کر کھسک گیا۔ گرو نے بچا کھچا سامان آگ میں پھینک دیا اور وہ خود ایک پردے کے پیچھے سے باہر آئے۔ ان کے ہاتھ میں تلوار چمک رہی تھی۔ ہون یگیہ کے سامان کا ڈھیر آگ میں جل رہا تھا۔ جس کے شعلے بلند پہاڑ پر چڑھ کر میلوں دور سے دیکھے جا سکتے تھے۔ اسے دیوی کے ظہور کی علامت سمجھا گیا۔

(سکھ دھرم کا جنم صفحات ۸۵ اور ۸۶)

قابل نہیں ہے۔ ان پر نوازش کا پھل اس جہاں اور دوسرے جہاں میں ملتا ہے۔ باقی تمام خدمت بے کار اور بے معنی ہے۔ میری تمام متاع یعنی میرا جسم اور میری روح لوگوں کے لیے ہے۔ کیونکہ اور کچھ بھی کام نہیں آتا۔ کچھ بھی یہ گرو کہتے ہیں کہ یہ الفاظ سن کر پنڈت کو بہت دکھ ہوا اور وہ رو پڑا۔

چوتھا باب

"گوبند سنگھ عظیم ہے کہ وہ گرو بھی ہے
اور چیلا بھی ــــــــــــــــــــــ"

بھائی گور داس سنگھ

۱۶۹۹ء بیساکھ کے پہلے دن اور موسمِ بہار کے وسط میں اور ہندوؤں کے نئے سال کی ابتدا، پر گرو گوبند سنگھ نے بہت سوچ بچار کے بعد آخر کار یہ فیصلہ کیا کہ وہ ایک نیا نظام قایم کریں گے۔ اس وقت تک نئے عقیدے کے راستے پر ہر اُس ہندو اور مسلمان کا خیر مقدم کیا گیا تھا۔ جو ذات پات کے اختلافات ترک کر کے اور رتبے اور دھرم کی پرواہ کیے بغیر ایک دوسرے کے ساتھ کھانے اور نسلِ انسانی کی خدمت کرنے کے لیے مستعد تھا۔ جو زبان کا سچّا تھا اور جس کے خیالات اور عمل پاکیزہ تھے، جو وحدانیت پر یقین رکھتا تھا، جو ہر قسم کے مکر و فریب، توہم اور رُسوم چھوڑ چکا تھا۔ یہ پرامن اور نیک لوگوں کا سماج تھا۔ پانچویں گرو ارجن کو شہنشاہ جہانگیر کے حکم سے موت کی سزا دی گئی تھی اور انھوں نے کوئی جدوجہد کیے بغیر خدا کے نام پر اپنی زندگی بھینٹ چڑھا دی تھی۔ ان کے بیٹے اور چھٹے گرو ہری گوبند ہتھیاروں سے لیس رہتے تھے اور ایک چھوٹی سی فوج رکھتے تھے اور اس سے کبھی کبھی حفظ ما تقدم میں شاہجہاں کی

فوجوں سے لڑا کرتے تھے اور ہمیشہ فتح حاصل کرتے تھے۔ گرو ہری رائے جو اُن کے بعد گرو بنے ۲۲۰۰ گھوڑ سوار سپاہیوں کا ایک رسالہ رکھتے تھے لیکن انھوں نے اسے کبھی استعمال نہیں کیا تھا۔

آٹھویں گرو ہری کشن کمسنی یعنی آٹھ برس کی عمر میں ہی وفات پا گئے تھے۔ گرو گوبند سنگھ کے والد نویں گرو کا سر اورنگ زیب کے حکم سے دلی میں قلم کر دیا گیا تھا۔ لیکن کوئی لڑائی نہیں ہوئی تھی اور اس واقعہ کے بعد کہیں کوئی بغاوت نہیں ہوئی تھی ــ گرو گوبند سنگھ دیکھ چکے تھے کہ آس پاس کے پہاڑی راجوں نے یہ بھی دعویٰ کیا تھا کہ وہ ہندو تھے۔ محض اس وجہ سے مغل شہنشاہ کے ساتھ مل کر انھیں پریشان کیا تھا کہ گرو چاہتے تھے کہ تمام مذاہب کے لوگ مل کر رہیں اور اُن پر ایسا طرزِ زندگی اپنانے کے لیے دباؤ نہ ڈالا جائے جسے اپنانے کے لیے وہ رضامند نہ ہوں ــ وہ نہ تو کسی کے علاقہ پر قبضہ کرنے کی خواہش رکھتے تھے اور نہ وہ کسی کو نقصان پہنچانے خواہاں تھے۔ لیکن اس کے باوجود اُن کے لیے اور ان کے پیروؤں کے لیے جینا دوبھر ہو گیا تھا۔

لہٰذا گرو نے ایسا نظام قائم کرنے کا فیصلہ کیا جس میں دھرم کے لیے قربانی کے سوا زندگی کا کوئی اور آدرش نہیں ہو گا ــ جس میں غلامی کو خواہ وہ سیاسی غلامی ہو یا سماجی یا اقتصادی ہرگز قبول نہ کیا جائے گا۔ اس مقصد کے لیے اگر انھیں لڑ کر بھی آگے بڑھنا پڑے تو وہ ہتھیاروں کے استعمال سے گریز نہیں کریں گے۔ ہتھیار آدرش سماج قائم کرنے کا حربہ ہوں گے جس میں کوئی کسی کے حقوق یا افکار کو غصب نہیں کرے گا اور ہر شخص اگر وہ دوسرے کے راستے میں حائل نہیں ہو گا کسی بھی راہِ حیات پر چلنے کے لیے آزاد ہو گا۔

ڈاکٹر گوکل چند نارنگ نے ٹھیک ہی لکھا ہے کہ اس وقت ــ "ہندو اپنی فطرت کے اعتبار سے بہت نرم تھے۔ اپنی خواہشات کے اعتبار سے بہت قانع تھے اور اپنے

ارمانوں کے اعتبار سے بہت منکسر المزاج تھے ۔ جسمانی محنت سے گریز کرتے تھے ۔ خوفزدہ تھے ۔ اُن کے حوصلے پست تھے اگرچہ دھرم سے اُن کا لگاؤ مضبوط تھا ۔ وہ دھرم تو رکھتے تھے لیکن قومی احساس نہیں رکھتے تھے ۔ لہٰذا گرو گوبند سنگھ نے قوم پرستی کو اُن کا دھرم بنانے کی کوشش کی ۔"

گرو کے دل پر کئی واقعات کی چھاپ تھی اور شاید ان ہی واقعات نے اُن کے فیصلہ پر اثر ڈالا تھا ۔ اُن کے والد گرو تیغ بہادر کا سر دلّی کے چوک میں قلم کر دیا گیا تھا ۔ اور کوئی اُن کی لاش اٹھانے کے لیے آگے نہیں آیا تھا ۔ چھوٹی ذات کے دو سکھ بھیس بدل کر اور تاریکی کے پردے میں ان کی لاش اٹھانے کے لیے آئے تھے ۔ ہندو راجے ایک دوسرے سے لڑ تو رہے ہی تھے مگر وہ شہنشاہ اورنگ زیب سے اپنے دھرم کے لوگوں کے خلاف امداد بھی طلب کر رہے تھے ۔ اگرچہ گرو نے مغلوں کے خلاف پہاڑی راجپوت سرداروں کی اکثر ضرورت کے وقت مدد کی تھی لیکن وہ اکثر مغلوں سے صلح کر لیتے تھے ۔ اور گرو کو اپنی حفاظت کے لیے اکیلا چھوڑ دیتے تھے ۔

ہندو نسل کو ذات پات نے اس قدر تقسیم کر رکھا تھا کہ گرو گوبند سنگھ نے چند سکھوں کو سنسکرت کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے بھیجا ۔ لیکن پنڈتوں نے ان کو سنسکرت پڑھانے سے انکار کر دیا کیونکہ وہ چھوٹی ذات سے تعلق رکھتے تھے ۔ بیٹیوں کو پیدا ہوتے ہی ہلاک کر دیا جاتا تھا ۔ عورتوں کا درجہ اتنا پست تھا اور ان کو اس قدر الگ تھلگ رکھا جاتا تھا کہ ان کو زندہ انسانوں کے تمام حقوق اور تمام ذمہ داریوں سے محروم کر دیا گیا تھا ۔ اگرچہ سکھوں کی بڑی تعداد گرو کی تعلیمات پر عمل کرتی تھی اور اُن کو ہر لحاظ سے اپنا روحانی رہنما تسلیم کرتی تھی لیکن وہ اپنے گھر اور ماحول کے معاملات میں اس قدر اُلجھے ہوئے تھے کہ وہ دھرم کے لیے عظیم قربانی دینے کو جلد تیار نہیں ہوتے تھے ۔ وہ روحانی اور جسمانی طور پر تو متحد تھے لیکن سیاسی طور پر طاقتور نہیں تھے یا فیصلہ کن قوت نہیں رکھتے تھے ۔۔۔ گرو اب ان کو سیاسی طور پر طاقتور اور فیصلہ کن قوت بنانا

چاہتے تھے کیونکہ اگر ایک قوم کی حیثیت سے ان کے مستقبل کو تابناک بنانا مقصود تھا تو اس کام کو پورا کرنے کا یہی وقت تھا۔

کیا لوگ آگ کے اس دریا سے گزرنے کے لیے تیار تھے؟ گرو اس بات کی آزمائش کرنا چاہتے تھے لہٰذا میساکھ کے پہلے دن جب عورتیں اور مرد حسبِ معمول دور و نزدیک سے آکر آنند پور میں جمع ہوتے تھے کہ گرو کو خراجِ عقیدت پیش کرسکیں۔ گرو ان کے مجمع میں اچانک اُٹھ کر کھڑے ہوگئے۔ ایک ننگی تلوار ان کے ہاتھ میں تھی اور وہ گرج کر بولے۔ "مجھے ایک ایسا سکھ چاہیئے جو ابھی اور یہیں اپنا سر میرے حوالے کردے۔ میری تلوار ایسے آدمی کے سر کی پیاسی ہے جس نے اپنے آپ کو میرے سپرد کردینے کا سبق سیکھ لیا ہے۔" سارے مجمع پر سناٹا طاری ہوگیا۔ گرو کا اس سے کیا مطلب ہے۔ اُن سے پہلے کسی نے بھی ایسی عظیم قربانی دینے کے لیے نہیں کہا تھا۔ قربانی دی جائے تو کس مقصد کے لیے؟ کوئی بھی نہ یہ سمجھ سکا کہ گرو کے اس ناٹک کے پیچھے مقصد کیا تھا۔ گرو نے تو ہمیشہ اُن سے بے پناہ محبت کی تھی اور ان کی بہت دیکھ ریکھ کی تھی۔ گرو کی آنکھیں شعلہ بار تھیں۔ وہ گرجے "کیا اس سارے مجمع میں ایک بھی ایسا نہیں ہے جو اُٹھ کر کھڑا ہوجائے اور کہے۔ 'میں حاضر ہوں'۔ ارے تم تو ہمیشہ یہ کہتے آئے ہو جو بھگوان سے پیار کرتا ہے وہ اپنا سر ہتھیلی پر رکھ کر بھگوان کو پیش کرتا ہے۔" اب بھی مجمع پر گہری خاموشی طاری رہی۔ اور جب تیسری بار گرو نے کہا "کیا ایک بھی ایسا شخص نہیں ہے جو مجھ پر اعتماد کرسکے!" لاہور کا ایک سکھ دیا رام کشتری آہستہ آہستہ قدم بڑھاتا آگے بڑھا۔ اس نے اپنا سر جھکا رکھا تھا اور پرارتھنا کے لیے ہاتھ جوڑ رکھے تھے۔ اس نے کہا۔ "اے شاہوں کے شاہ! میں اپنا سر پیش کرتا ہوں۔ میں ہمیشہ آپ ہی کا رہا ہوں۔ اگر یہ سر آپ کے کام آسکے تو میرے لیے سرمایۂ افتخار ہوگا۔ ایک شرف ہوگا۔ اور میں سمجھوں گا کہ مجھے نجات مل گئی۔"

روایت ہے کہ گرو اسے ایک خیمہ میں لے گئے۔ وہاں انھوں نے ایک بکرے کو حلال کیا

اور خون سے بھری تلوار لیے ہوئے واپس آ گئے۔ اُن کی آنکھیں پہلے سے زیادہ سُرخ تھیں اور اُن کی صورت پہلے سے زیادہ خوفناک تھی۔ مجمع میں موجود بہت سے لوگ بھاگ کھڑے ہوئے اور کچھ لوگ اس بات پر رنجیدہ ہوئے کہ گرو کا دماغ چل گیا ہے۔ گرو نے کہا "مجھے ایک اور سر چاہیے۔ دھرم کی حفاظت صرف وہی لوگ کر سکتے ہیں جو اپنی جانیں نچھاور کر کے عظیم قربانی دینے کو تیار ہوں"۔ ایک اور شخص دھرم داس، جو دلّی کا رہنے والا تھا گرو کی پکار پر اسی طرح آگے بڑھا۔ گرو اسے بھی خیمے میں لے گئے اور اپنی خون آلود تلوار لیے ہوئے وہ خوفزدہ مجمع کے سامنے پھر آ کھڑے ہوئے۔ اس وقت بہت سے سکھ گرو کی ماں کے پاس دوڑے ہوئے گئے اور اُن سے درخواست کی "وہ اس معاملہ میں مداخلت کریں یا اُن کو گرو نانک کی گدّی سے معزول کریں۔ وہ اپنے وہم کی تسکین کے لیے اپنے معصوم مریدوں کا خون بہا رہے ہیں"۔ گرو کی ماں نے گرو کے پاس پیغام بھیجا کہ وہ ایسا نہ کریں لیکن گرو نے ماں کی بات نہ سنی۔

اور پھر تین بار تین شخص دوارکا کا محکم چند، بیدر کا صاحب چند اور جگن ناتھ پوری کا ہمت باری باری اپنا سر بھینٹ کرنے کے لیے آگے آئے۔ اِس طرح جب پانچ اشخاص نے اپنے آپ کو گرو کے سپرد کر دیا تو گرو نے کسی اور شخص کا سر نہ مانگا۔ وہ اس خیمے سے پانچ سکھوں کو لیے ہوئے جن کو وہ وہاں لے گئے تھے واپس آئے۔ اب انھوں نے نیا لباس پہن رکھا تھا۔ اُن کی پگڑیاں نیلی تھیں، کرتے ڈھیلے، لمبے اور پیلے تھے۔ کمر کے گرد جانگیوں پر پٹکے تھے۔ اُن کے پہلوؤں سے تلواریں لٹک رہی تھیں۔ وہ نہ صرف خوش پوش بلکہ سپاہی نظر آ رہے تھے۔ بلند ہمت اور ایثارِ مجسّم۔ گرو نے ان کو اپنے پانچ پیاروں کا لقب دیا۔ اس وقت مجمع میں سے "ست سری اکال" (خدا لافانی ہے) کا نعرہ بلند ہوا اور لوگوں نے گرو سے التجا کی کہ وہ ان کو بھی ایسی آشیرواد دیں۔ یہ بات قابلِ ذکر اور دلچسپ ہے کہ اُن پانچ اشخاص میں، تین اچھوت تھے۔

اب گرو نے پانی سے بھرا ہوا لوہے کا کٹورا منگوایا۔ انھوں نے اپنے پانچ پیاروں سے کہا کہ وہ اس کٹورے کے ارد گرد ان کے ساتھ بیٹھ جائیں اور باری باری پانی کو دو دھاری خنجر سے بلوئیں اور باری باری پانچ نظمیں پڑھیں جو انھوں نے اور اُن سے پہلے کے گروؤں نے لکھی تھیں۔ لہ

جب یہ کام ہو رہا تھا گرو کی بیوی جیتو بتاشے لے کر آئی۔ گرو نے اس سے کہا کہ وہ کٹورے میں بتاشے ڈال کر پانی کو میٹھا کر دے۔ گرو نے کہا "یہ ایک پُر مسرت موقع ہے۔ خالصہ ایک جنگجو سپاہی ہی نہیں ہوگا۔ بلکہ ان لوگوں کی زندگی کو شیریں بنا دے گا جن کی وہ خدمت کرے گا۔"

جب پاٹھ ختم ہوا تو گرو نے کٹورے کے اس امرت کو پانچ پیاروں میں بانٹ دیا۔ امرت اُن کی آنکھوں اور ان کے بالوں میں چھڑکا اور پھر اس کٹورے سے پانچوں نے باری باری امرت پیا۔ یہ کام ہو چکا تو گرو ہاتھ باندھ کر ان کے سامنے کھڑے ہو گئے اور اُن سے سے درخواست کی کہ وہ بھی اسی طرح ان کو امرت دیں۔

سارا مجمع اور پانچوں پیارے بھونچکّے رہ گئے۔ "آپ ہمارے گرو اور روحانی رہنما ہیں۔ اس دنیا میں بھی اور دوسری دنیا میں بھی۔ آپ ہمارے نگہبان اور نجات دہندہ ہیں۔ ہم نے اپنی فانی زندگیاں آپ کے سپرد کر دی ہیں۔ ہم آپ کو امرت کیسے دے سکتے ہیں۔ اے شاہوں کے شاہ!" گرو نے کہا "میں نے آج سے ایک نیا نظام قائم کیا ہے جس میں نہ کوئی بڑا ہوگا نہ چھوٹا۔ اب میں تمہارا چیلا بن کر قطعی مساوات کی بنیاد پر ایک نئی برادری قائم کرنا چاہتا ہوں۔" گرو نے اپنے الفاظ واپس لینے سے انکار کر دیا تو گرو

لہ نظموں کے مجموعے یہ تھے: گرو نانک دیو کا "جپ جی" گرد گوبند سنگھ کا جاپ صاحب، اور دس سوئیے — اور گرو امر داس کا آنند،

کو اسی طریقہ سے امرت دیا گیا۔ اور گرو کے عقیدت مند پیرو سخت حیران ہوئے۔ ساری فضا میں برقی لہر دوڑ گئی۔ کہا جاتا ہے کہ ہزاروں لوگوں نے درخواست کی اور انھیں اسی طرح امرت دیا گیا اور دو ہفتے کے عرصے میں ان کی تعداد ۸۰ ہزار تک پہنچ گئی [۵] گرو نے اس کو خالصہ کا نام دیا انھیں پاکیزہ اور پیارے کہا۔

اور پھر گرو نے ان کو اس طرح مخاطب کیا۔ "آج سے آپ کی کوئی ذات پات نہیں رہی۔ آپ نہ کوئی ہندوؤں کی رسم ادا کریں گے نہ کوئی اسلامی رسم ادا کریں گے۔ آپ کسی قسم کی توہم پرستی پر یقین نہیں کریں گے۔ صرف ایک خدا پر اعتقاد رکھیں گے۔ جو والیِ دوجہاں ہے اور سب کا محافظ ہے۔ وہی خالق اور وہی غارت گر ہے۔ آپ کے اس نئے نظام میں چھوٹا رتبے میں سب سے بڑے کے برابر ہوگا۔ اور سب ایک دوسرے کے بھائی ہوں گے۔ اب سے آپ تیرتھ کرنے نہیں جائیں گے۔ کسی قسم کے زاہدِ خشک کی ضرورت نہیں ہے۔ پاکیزہ گھریلو زندگی اختیار کیجیے اور دھرم پکارے تو قربانی دینے کے لیے تیار رہیے۔ عورتوں کا درجہ ہر لحاظ سے مردوں کے برابر ہے۔ اب وہ پردہ نہیں کریں گی۔ اب بیوہ اپنے شوہر کی چتا پر زندہ جل کر نہیں مرے گی۔ جو اپنی بیٹی کو ہلاک کرے گا خالصہ اس سے کوئی واسطہ نہیں رکھے گا۔ آپ بال رکھیں گے۔ قدیم زمانے کے رشیوں اور منیوں کی طرح یا کشتریوں

---

۵ بھگت لکشمن سنگھ نے اپنی کتاب "گروگوبند سنگھ: حیات اور کارنامے" میں ان خیالات کا اظہار کیا ہے۔

"امرت سب سے پہلے رضامندی کے ساتھ پیا جاتا تھا۔ امرت تمام سکھوں کے لیے مخصوص نہیں تھا لیکن اب سکھ بننے والے تمام اشخاص کو امرت پلایا جاتا ہے مگر ان سے یہ نہیں کہا جاتا کہ وہ سکھ دھرم کے حقیقی آدرش پر عمل کریں گے۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر لوگ دل سے سکھ دھرم کو قبول نہیں کرتے ہیں۔

کی طرح [1] اور عقیدت کے حلف کے طور پر بالوں کے صاف رکھنے کے لیے کنگھی رکھیں گے پرماتما کی ہمہ گیریت کو ظاہر کرنے کے لیے آپ لوہے کا کڑا پہنیں گے۔ پاکدامنی کی علامت کے لیے آپ جانگیہ پہنیں گے۔ اور اپنی حفاظت کے لیے فولادی خنجر (کرپان) اپنے پاس رکھیں گے۔ تمباکو نوشی ایک گندی عادت ہے اور مضرِ صحت ہے اس لیے آپ اس عادت کو ترک کر دیں گے۔ آپ جنگی ہتھیاروں سے محبّت کریں گے اور بہترین گھوڑ سوار، نشانے باز اور تلواریں ڈھالنے والے بنیں گے۔ روحانی احساس کی طرح آپ جسمانی قدرت کو بھی مقدس سمجھیں گے اور مسلمانوں اور ہندوؤں کے درمیان آپ پُل کا کام دیں گے [2] اور آپ ذات پات، رنگ، ملک اور مذہب کے امتیاز کے بغیر غریبوں کی خدمت کریں گے [3] میرا خالصہ ہمیشہ غریبوں کی حفاظت کرے گا اور دیغ (برادری کی رسوئی) آپ کے نظام میں اتنا ہی لازمی جز ہوگی جتنی کہ تیغ۔ آج سے آپ اپنے آپ کو سنگھ (شیر) کہیں گے۔ اور جب آپ ایک دوسرے سے ملیں گے تو یہ کہا کریں گے۔ واہگوروجی کا خالصہ۔ واہگوروجی کی فتح — (خالصہ خدا کا ہے۔ جیت خدا کی ہے)"

دیہات میں یہ بات پھیل گئی کہ گرو نے "گرو یا مرو" کے مقصدِ عظیم کے ساتھ ایک نیا نظام قایم کیا ہے اس نے ہندوؤں میں ایک نئی روح پھونک دی اور مخالفوں کے دلوں میں خوف کی لہر دوڑا دی۔

---

[1] کشتریہ دھرم نہ منڈنم۔ (کشتری حجامت نہیں بنوائے گا۔) مہابھارت شانتی پرو

[2] پانچ پیاروں میں سے ایک بھائی۔ دیا سنگھ کی کتاب "رہت نامہ" (سکھوں کا ضابطۂ کردار)

[3] بھائی چوپا سنگھ کے رہت نامہ میں صحیح الفاظ یہ ہیں "گرو کے سکھ کو چاہیئے کہ وہ غریب کے منہ کو گرو کا خزانہ سمجھے۔"

یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ چوپا سنگھ نے گرو کے بچپن میں گرو کو پالا تھا۔

پانچواں باب

"اے نانک وہی دانا ہے جو دوسرے سے
ڈرتا نہیں ہے اور جو دوسروں کو خوفزدہ
نہیں کرتا ہے ______"

گرو تیغ بہادر

ایک مسلمان مورخ غلام محی الدین کے بیان کے مطابق ایک نامہ نگار نے شہنشاہ اورنگ زیب کو اس تقریر سے آگاہ کیا جو گرو گوبند سنگھ نے خالصہ کے جنم دن پر اپنے پیرووں کے سامنے کی تھی۔ نامہ نگار نے لکھا "گرو نے ذات پات، رواج، تمام رسومات اور ہندوؤں کے تمام توہمات کا خاتمہ کر دیا ہے اور ہندوؤں کو ایک ہی برادری میں متحد کر دیا ہے۔ جس میں کوئی ایک دوسرے سے نہ تو برتر ہے اور نہ کمتر ہے۔ تمام ذاتوں کے لوگ مل بیٹھ کر ایک ہی تھالی میں کھائیں گے۔ اگرچہ کٹر لوگوں نے گرو کی مخالفت کی ہے لیکن تقریباً بیس ہزار مردوں اور عورتوں نے پہلے ہی دن ہاتھ میں تلوار لے کر امرت پیا ہے۔ گرو نے حاضرین سے کہا ہے "میں اسی صورت میں گوبند سنگھ کہلاؤں گا جب ننھی چڑیوں کو عقابوں سے لڑا دوں گا اور عقابوں کے ٹکڑے کرا دوں گا۔ جب میری فوج کا ایک سپاہی دشمن کی فوج کے سوا لاکھ سپاہیوں کے برابر ہوگا۔"

پہاڑی سردار بھی بہت خوفزدہ ہو گئے تھے۔ ایک دن جب گرو گوبند سنگھ وادیِ دون میں شکار کھیلنے گئے تو دو پہاڑی سرداروں بلیا چند اور عالم چند نے بڑے بڑے فوجی دستوں کے ساتھ اُن کو للکارا۔ سکھوں کی تعداد اگرچہ بہت کم تھی لیکن انھوں نے خوب دادِ شجاعت دی۔ گرو کے تیروں نے دشمن کی صفوں میں قیامت برپا کر دی۔ بلیا چند مارا گیا۔ عالم چند کا ایک بازو کٹ گیا اور وہ سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ کھڑا ہوا۔ میدانِ کارزار میں لاشیں چھوڑ کر پہاڑی فوجیں پسپا اور تتر بتر ہو گئیں۔

راجپوت پہاڑی راجوں نے اس لڑائی کی خبر سنی تو بہت خوفزدہ ہوئے۔ گرو کے سامنے اپنے آپ کو بے بس نہیں تو کمزور پا کر انھوں نے فیصلہ کیا کہ وہ دلی میں شہنشاہ کے پاس درخواست بھیجیں گے۔ شہنشاہ اورنگ زیب اس وقت دکن میں تھے اور شدید جنگ میں اُلجھے ہوئے تھے۔ ان کی غیر حاضری میں سرہند کے صوبیدار نے ان کی درخواست سنی۔ درخواست میں کہا گیا تھا۔ "موجودہ گرو نانک دیو کے بعد دسویں گرو ہیں۔ جس نے امن و آشتی اور انسانی بھائی چارے کا پرچار کیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جب موجودہ گرو ہمارے درمیان آ کر رہے تو ہم نے کوئی اعتراض نہ کیا۔ لیکن اس گرو کے خیالات اور ارادے گرو نانک کے خیالات اور ارادوں سے مختلف ہیں۔ جب ہم نے ان کی بڑھتی ہوئی طاقت کی سرکوبی کرنا چاہی جس سے وہ شہنشاہ تک کو للکارنا چاہتا ہے تو وہ ناہن کی ریاست میں چلا گیا۔ ناہن کے راجہ کا دوست بن گیا۔ اس کے بعد ناہن کے راجہ اور سری نگر کے راجہ فتح شاہ سے اس کی اَن بن ہو گئی۔ گرو اور ہمارے درمیان بھنگانی میں لڑائی ہوئی جس میں حد سے زیادہ انسانی خون بہایا گیا۔ گرو اس کے بعد آنندپور چلا گیا اور خالصہ کے نام سے ایک نیا نظام قائم کیا۔ یہ نظام ہمارے ہر دلعزیز عقیدوں اور ماحول کے بالکل الٹ ہے۔ گرو کہتا ہے کہ اس کا دھرم مسلمانوں اور ہندوؤں کے مذہب سے بالکل مختلف اور ممتاز ہے اس کے باوجود گرو یہ چاہتا ہے کہ ہم اس کے ساتھ مل کر اپنے شہنشاہ کے خلاف لڑیں

جن کے خلاف گرو اپنے دل میں بھاری عناد رکھتا ہے۔ ہم نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا اور گرو سخت بر ہم اور ناراض ہے۔ گرو اب ملک بھر سے ہتھیار اور آدمی جمع کر رہا ہے تاکہ مغل سلطنت کو للکار سکے۔ ہم اسے روک نہیں سکتے۔ ہم چونکہ اپنے شہنشاہ کی وفادار رعایا ہیں۔ لہٰذا ہم آپ سے مدد طلب کر رہے ہیں کہ آپ گرو کو آنند پور سے نکال باہر کریں اور اس کام میں تاخیر نہیں ہونی چاہیئے۔ ورنہ گرو ساری سلطنت کے لیے ناقابلِ تسخیر قوت بن جائے گا اور گرو بہت جلد دلی کی طرف بڑھنے کا ارادہ رکھتا ہے" سرہند کے صوبیدار نے یہ درخواست شہنشاہ کو بھجوا دی۔

تھوڑے دنوں کے بعد شاہی حکومت نے اس درخواست کا جواب دیا جس میں کہا گیا تھا کہ اگر پہاڑی راجہ شاہی فوجوں کا خرچ برداشت کرنے کے لیے تیار ہوں تو ان کی مدد کی جا سکتی ہے۔ پہاڑی راجوں نے خوشی کے ساتھ یہ شرط منظور کر لی۔ اس طرح دو مغل جرنیلوں پینبے خاں اور دین بیگ کو دس ہزار سپاہیوں کا قائد بنا کر راجپوت راجوں کی امداد کے لیے بھیجا گیا۔ روپڑ کے مقام پر پہاڑی فوجیں بھی ان سے آکر مل گئیں۔ جن کی کمان پہاڑی راجے کر رہے تھے۔ یہ پرچار کیا گیا کہ اس جنگ کا مقصد گرو کو آنند پور سے نکال باہر کرنا ہے اور اگر گرو وعدہ کرے گا کہ وہ وفادار رعایا کی حیثیت سے رہے گا تو اسے آنند پور میں رہنے کی اجازت دیدی جائے گی مگر گرو کو خراج ادا کرنا ہوگا۔

جب گرو کو یہ خبر ملی کہ ایک طاقتور فوج ان کے خلاف دھاوا بول رہی ہے تو انھوں نے بھی اپنے آدمیوں کو جنگ کے لیے صف آرا کرنا شروع کر دیا۔ انھوں نے اپنے پانچ پیاروں کو اپنی فوج کے پانچ جرنیل مقرر کیا اور خود بھی فوج کے دوش بہ دوش لڑنے کا فیصلہ کیا۔ سکھوں کی توپوں اور بندوقوں نے دشمن کو بھاری نقصان پہنچایا ایک طرف سے مغل فوج حملہ کر رہی تھی اور دوسری طرف سے راجپوت فوج۔ اس

جنگ کو مذہبی جنگ بتا کر مغل اور راجپوت سپاہیوں کو بھڑکایا گیا تھا۔ لیکن یہ حربہ بھی کام نہ آیا۔ آخر کار پینڈے خاں نے گرو سے دو بدو لڑ کر جنگ کا فیصلہ کرنا چاہا۔ اس نے گرو کو میدان میں نکلنے کے لیے للکارا اور کہا کہ گرو آ کر اس کا مقابلہ کرے۔ یہ بات سن کر گرو گوبند سنگھ اپنا گھوڑا دوڑاتے ہوئے اس کے پاس چلے گئے اور گرج کر بولے "میں گوبند سنگھ ہوں اور تم سے نبٹنے کے لیے آیا ہوں"۔ پینڈے خاں نے طنزیہ انداز میں کہا — "تو پھر ہو جائیں دو دو ہاتھ — پہلے تم وار کرو تاکہ بعد میں افسوس نہ کرو۔" گرو مسکرائے اور بولے "پہلا وار کرنا میرے گھرانے کا دستور نہیں ہے — حملہ تم نے کیا ہے — اس لیے میں تمہیں پہلے وار کی رعایت دیتا ہوں۔"

پینڈے خاں نے تلوار سے گرو پر وار کرنے کے لیے اپنا گھوڑا گرو کے گھوڑے کے گرد کئی بار گھمایا۔ لیکن گرو گھوڑے پر بڑی تیزی سے حرکت کرنے لگے تھے۔ پٹھان جرنیل نے اپنے آپ کو بے بس پایا۔ پھر اس نے تیر چلایا۔ جو گرو کے کان کے پاس سے گزر گیا۔ گرو نے اس کا ٹھٹھا اڑایا اور کہا "تم اچھے تیر انداز ہو"۔ پینڈے خاں نے ایک اور تیر چھوڑا وہ بھی نشانے پر نہ بیٹھا۔ اس نے تیزی سے پسپا ہونے کی کوشش کی لیکن گرو نے اسے للکارا "بزدل کہیں کے۔ تم مجھے وار کرنے کا موقع کیوں نہیں دے رہے ہو۔" یہ کہہ کر گرو نے تیر سے پینڈے خاں کے کان کا نشانہ باندھا کیونکہ زرہ بکتر میں اس کے جسم کا یہی حصہ ننگا تھا۔ تیر ٹھیک نشانے پر لگا۔ پینڈے خاں گھوڑے پر سے گرا اور دم توڑ گیا۔ اب دوسرے جرنیل دین بیگ نے فوج کی کمان سنبھال لی۔ مغل فوج جی توڑ کر لڑی اور پہاڑی فوج تتر بتر ہو گئی۔ وہ دیکھ چکے تھے کہ جنگ کا فیصلہ سکھوں کے حق میں ہو رہا تھا۔ دین بیگ بری طرح زخمی ہو گیا اور جب اس کو فتح کا کوئی امکان نظر نہ آیا تو پسپا ہو گیا۔ سکھ فوجوں نے روپڑ تک اس کا پیچھا کیا اور گرو گوبند سنگھ نے سکھ فوجوں کو مشورہ دیا کہ وہ دین بیگ کی فوجوں کو مزید پریشان نہ کریں۔ میدانِ کارزار

میں بھاری مال ومتاع سکھوں کے ہاتھ لگا۔ دشمن فوجوں کو تباہ و برباد کر دیا گیا تھا۔ اس فیصلہ کن فتح پر سکھوں کے حوصلے بہت بلند ہو گئے۔

گرو نے سکھوں کو ہدایت کی کہ جو بھی اُن سے ملنے آئے ہتھیار یا گھوڑا لائے۔ جب گرو کی فتح کی خبر دور ونزدیک پہنچی تو بہت سے لوگ خالصہ کی صفوں میں شامل ہونے کے لیے آگئے۔ گرو نے بندوقیں، تلواریں اور تیر بنانے کے لیے اسلحہ ساز ملازم رکھے۔ انھوں نے بہت سا بارود اور سیسہ بھی جمع کر لیا۔

چند پہاڑی سردار بہت ہراساں ہوئے اور انھوں نے ایک بار پھر یہ فیصلہ کیا کہ وہ امداد کے لیے شہنشاہ کو درخواست دیں گے اور قیمتی نذرانے پیش کریں گے۔ ان میں سے ایک راجہ نے یہ مشورہ دیا کہ وہ ایسا کریں کہ اپنی فوجوں کو جمع کریں چاروں طرف سے آنند پور کو گھیر لیں۔ آنند پور میں رہنے والے لوگوں کو بھوکوں ماریں یا انھیں اطاعت قبول کرنے پر مجبور کر دیں۔ بعد میں اس مشورے کو قبول کر لیا گیا۔ تمام پہاڑی سرداروں نے جس میں جمّوں، نور پور، منڈی، بھوٹان، کلّو، کینتھل، گولر، چمبہ اور سری نگر کے راجے شامل تھے۔ ایک ایک فوجی دستہ دیا۔ بلاسپور کے راجے بھیم چند کے بیٹے راجہ اجمیر چند کو حملہ آور فوج کا مجموعی کمانڈر بنا دیا گیا۔ اور ہر کسی نے یہ بات مان لی کہ وہ اس کے فیصلوں کی تعمیل کرے گا۔ اجمیر سنگھ نے گرو گوبند سنگھ کے پاس پہلے ایک ایلچی بھیجا اور ان سے کہا گیا کہ وہ آنند پور کو چھوڑ کر چلے جائیں یا جس جگہ آنند پور کا شہر واقع ہے اس زمین کے سالانہ کرایہ کی بقایا رقم ادا کریں۔ اگر ایسا نہ کیا گیا تو چاروں طرف سے شہر کی ناکہ بندی کر دی جائے گی۔

گرو نے اس مطالبہ کو حقارت سے ٹھکرا دیا اور کہا کہ آنند پور شہر کی زمین میرے والد نے نقد روپیہ دے کر خریدی تھی اس لیے کوئی بھی اس زمین کے کرایہ کا دعویٰ نہیں کر سکتا اور اگر پہاڑی سرداروں کی یہی خواہش ہے کہ وہ طاقت سے مجھے اد

میرے پیروؤں کو میری جائز رہائش گاہ سے محروم کر دیں تو میرے لیے اپنی حفاظت کے لیے لڑنے کے سوا کوئی اور چارہ نہیں رہ جاتا۔ گرو نے مزید کہا کہ وہ اگر ان کو چین سے رہنے دیں گے اور مغلوں سے جا کر نہیں ملیں گے، جن کے ظلم و ستم کے خلاف وہ لڑائی کی تیاری کر رہے ہیں تو ان کو کوئی گزند نہیں پہنچائی جائے گی۔

راجہ یہ جواب سن کر بہت برہم اور خفا ہوئے۔ اُن کو یقین آگیا کہ گرو اپنی عزت بیچ کر امن حاصل نہیں کریں گے۔ ہتھیار ڈالنے یا امن کے لیے درخواست کرنے کی بجائے وہ لڑنا پسند کریں گے۔ انھوں نے بہت بڑی فوج جمع کی جس میں ہر پہاڑی سردار نے حصہ لیا۔ اس وقت آنند پور میں سکھ زیادہ تعداد میں نہیں رہتے تھے۔ لیکن بہت جلد پنجاب کے گوشے گوشے سے عقیدت مند سکھ ان سے آملے۔ گرو کے بڑے بیٹے اجیت سنگھ کی عمر اس وقت انیس برس کی تھی۔ اسے ایک سو سپاہیوں کی کمپنی کی کمان کرنے کی اجازت دیدی گئی تھی۔ آنند پور، کوہ گڑھ اور فتح گڑھ میں دو قلعے دو الگ الگ کمانڈروں کی کمان میں دے دیے گئے۔ ایک ہزار سپاہی ہر قلعے کی حفاظت کے لیے موجود تھے۔ گرو نے یہ مشورہ دیا کہ اُن کی فوجیں شہر سے باہر نہ جائیں اور صرف اپنی حفاظت کریں۔

سکھ مورخین نے لکھا ہے کہ پہاڑی فوجیں ٹڈی دل کی طرح ٹوٹ پڑیں۔ سکھ سپاہیوں کی تعداد کم تھی اور ان کے پاس ہتھیار بھی کم تھے لیکن وہ اس اعتماد اور بہادری کے ساتھ لڑے کہ دشمن کی صفوں میں بھگدڑ مچ گئی۔ رانگڑ اور گوجر بھاگ کھڑے ہوئے یہ دونوں ذاتیں اپنے جنگجو صفات کی وجہ سے مشہور تھیں۔ اُن کے دلوں میں پہلی لڑائی کے سلسلے میں جس میں انھیں شکست ہوئی تھی اور نوح اور بازپور کے قصبے ان کے ہاتھوں سے نکل گئے۔ گرو کے خلاف غم و غصہ تھا۔ انھوں نے اپنے قائد جگت اللہ کے جھنڈے تلے ایک طاقتور فوج جمع کر لی تھی۔ لیکن سکھوں کی صحیح نشانہ بازی اور سرفروشانہ شجاعت کے سامنے ان کی ایک نہ چلی۔ جگت اللہ کو مار گرایا گیا۔ اور سکھوں نے دشمن

کو اس کی لاش تک نہ اٹھانے دی۔ خود گرو ایک ٹیلے پر بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ اپنے مہلک تیروں سے دشمن کو نشانہ بنا رہے تھے اور اَن گنت دشمنوں کو موت کے گھاٹ اتار رہے تھے۔

اس موقع پر راجوں نے تین طرف سے آخری حملہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ لیکن اس کا نتیجہ بھی ڈھاک کے تین پات نکلا۔ جگت اللہ کی لاش ٹھنڈی ریت پر پڑی تھی۔ دشمن نے جی توڑ کر حملہ کیا لیکن سکھوں نے اس بات کو وقار کا سوال بنا لیا تھا کہ وہ جگت اللہ کی لاش دشمن کے ہاتھوں میں نہیں پڑنے دیں گے۔ خونریز جھڑپوں کے بعد دشمن پیچھے ہٹ گیا۔ منڈی کے راجہ جیسے لوگوں نے نانک کے گھرانے سے صلح کر لینے کا مشورہ دیا۔ انھوں نے کہا کہ اتنی عظیم روحانی شخصیت کے پاس صلح کی درخواست لے جانے میں کوئی توہین نہیں ہوگی۔ چند راجوں کا یہ خیال تھا کہ ایسا کیا گیا تو گرو کے حوصلے اور بھی بلند ہو جائیں گے۔ گرو جی اتنے طاقتور نہیں ہیں جتنا لوگ سمجھتے ہیں۔ اگر وہ ہمت نہ ہاریں تو فتح ان کی ہوگی۔ اس طرح انھوں نے ایک بار پھر سر توڑ کوشش کی۔ اس دفعہ انھوں نے ایک ہی مرکز پر اپنی فوجیں جمع کر دیں۔ گرو کے بیٹے اجیت سنگھ نے بے مثال شجاعت کا ثبوت دیا۔ اس کا گھوڑا زخمی ہو گیا لیکن وہ پیدل ہی لڑتا رہا۔ اس سے جنگ کی فضا میں برقی لہر دوڑ گئی۔ سکھوں نے دشمن کی فوج کو گاجر مولی کی طرح کاٹ کر رکھ دیا۔ آخر کار پہاڑی سرداروں نے یہ سوچا کہ اب جنگ جاری رکھنے کا کچھ فائدہ نہیں اور دو مہینے کے محاصرہ کے بعد وہ پیچھے ہٹ گئے۔ لیکن پسپا ہونے سے پہلے انھوں نے قلعے کے حفاظتی مورچے کو توڑنے کا ایک اور طریقہ آزمایا۔ انھوں نے ایک ہاتھی کو شراب پلا کر فصیل دار مورچے توڑنے کے لیے بھیجا۔ یہ دیکھ کر ایک سکھ دنی چند جو وسطی پنجاب سے پانچ سو آدمیوں کا جتھہ لے کر گرو کی مدد کے لیے آیا تھا۔ ڈر کر چپکے سے بھاگ کھڑا ہوا۔ گرو نے یہ سن کر کہا۔ "جو شخص قوم کو خطرے میں پا کر موت سے بھاگتا ہے، موت کسی اور شکل میں اس کا انتظار کر رہی ہوتی ہے۔" کہا جاتا ہے کہ دنی چند امرتسر پہنچا، اس

کی برادری کو اس کے کالے کرتوت کا پتہ چل گیا اسے برادری سے نکال دیا گیا اور کچھ ہی دنوں بعد کو برا سانپ کے کاٹنے سے وہ بے یار و مددگار مر گیا۔

سونڈ کو چھوڑ کر ہاتھی فولادی بکتر سے ڈھکا ہوا تھا۔ اسے لوہ گڑھ کے قلعے کے صدر دروازے پر ٹکر بولنا تھا۔ اس کے ماتھے پر ایک بھالا لگا دیا گیا تھا۔ پہاڑی فوجوں کو اس کے پیچھے پیچھے چلنا تھا۔ تاکہ جب دروازہ ٹوٹ جائے تو وہ طوفان کے ریلے کی طرح قلعہ کے اندر پہنچ کر قتلِ عام شروع کر دیں اور قلعہ پر قبضہ کر لیں۔ گرو نے اپنے ایک بہادر سپاہی وچتر سنگھ کو یہ کام سونپا کہ وہ تلوار سے ہاتھی کی سونڈھ میں چھید کر دے دوسرے سکھ اودے سنگھ کو یہ کام سونپا گیا کہ وہ راجہ کیسری چند کا سر کاٹ ڈالے جو حملے کی قیادت کر رہا تھا۔

وچتر سنگھ اپنی پہلی ہی کوشش میں کامیاب ہوا اُس نے اپنی تلوار قلعہ کی طرف خوفناک انداز میں بڑھتے ہوئے ہاتھی کے ماتھے میں گھونپ دی۔ ہاتھی غصّے سے پاگل ہوگیا۔ وہ مڑا اور اس نے اپنے ہی بہت سے سپاہیوں کو پیروں تلے روند ڈالا۔ اودے چند نے کیسری چند کو دوبدو مقابلے کے لیے للکارا اور اس کا سر اس کے تن سے جُدا کر دیا۔ اپنے بہت سے سپاہیوں کو قتل کرا کر اور بہت مال و زر چھوڑ کر پہاڑی راجے آدھی رات کو سر پر پیر رکھ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ بہت سے سرکردہ راجے کھیت رہے اور راجہ گھمنڈ چند میدانِ کارزار میں مارا گیا۔

بہرکیف انھوں نے فیصلہ کیا کہ وہ گرو کو چین سے نہیں بیٹھنے دیں گے۔ انھوں نے مغل شہنشاہ سے بے انتہا التجائیں کیں کہ وہ ان کے منصوبوں میں ان کی مدد کرے یہ خبر سن کر گرو نے یہ فیصلہ کیا کہ وہ آنند پور سے تھوڑے فاصلے پر کھلے میدان میں ان کا مقابلہ کریں گے۔ پہاڑی سرداروں نے جب یہ دیکھا کہ گرو خود ہی خطرہ مول لے رہے ہیں تو وہ آگے بڑھے۔ گرو کی فوجیں ایک اونچی جگہ پر مورچہ بند ہو گئی تھیں اور انھوں نے پہاڑی

سرداروں کو مار بھگایا۔ اس کے بعد ایک مسلمان توپچی کی خدمات حاصل کی گیئں کہ وہ نشانہ باندھ کر گرو کو ہلاک کر دے۔ مگر وہ اپنے اس منصوبے میں ناکام رہے۔ توپچی نے ایک گولے سے گرو کے خادم کو ہلاک کر دیا۔ لیکن گرو نے تیر اندازی کا فن قیامت خیز انداز میں استعمال کیا اور انھوں نے نہ صرف توپچی کو بلکہ توپچی کے بھائی کو بھی مار ڈالا۔ اسے بھی گرو کو ہلاک کرنے کا کام سونپا گیا تھا۔

دریں اثنا سرہند کے صوبیدار وزیر خاں کی قیادت میں شاہی فوج اس جگہ پہنچ گئی۔ گرو کو مشورہ دیا گیا کہ وہ تیزی سے آنند پور کے قلعہ کے اندر پہنچ جائیں لیکن انھوں نے اپنی جگہ سے ایک انچ بھی ہٹنے سے انکار کر دیا۔ وہ تقریباً پانچ ہزار آدمیوں کے ساتھ تین ٹکڑیوں میں آگے بڑھے۔ گرو عقبی حصے کی کمان کر رہے تھے اور ان کا بیٹا اجیت سنگھ دیگر جرنیلوں کے ہمراہ ہراول کی کمان کر رہا تھا۔ ستلج کے کنارے تک جنگ ہوئی۔ گرو نے اپنی فوجوں کے ہمراہ ستلج کو پار کر لیا تاکہ دوسرے کنارے پر مورچہ بند ہو جائیں۔ شاہی فوج اور پہاڑی فوجوں کا اتنا زیادہ نقصان ہوا تھا کہ انھوں نے پسپا ہونے کا فیصلہ کیا۔ انھوں نے مغل صوبیدار کو تحائف پیش کیے اور اس سے التجا کی کہ وہ واپس چلا جائے اور جنگ کو اب جاری نہ رکھے۔ پہاڑی سردار خوش تھے کہ گرو گوبند سنگھ آنند پور کو چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ لیکن ان کی یہ خوشی زیادہ دیر برقرار نہ رہی کیونکہ تھوڑے عرصے کے بعد گرو گوبند سنگھ فتح کے شادیانے بجاتے ہوئے آنند پور لوٹ آئے۔

راجہ اجمیر چند نے جو گرو کا سب سے بڑا دشمن تھا گرو سے صلح کرنی چاہی۔ اس نے ایک دوستانہ مراسلہ اور بہت سے قیمتی تحائف بھیجے۔ گرو نے بھی دوستانہ انداز میں جواب دیا۔ دوسرے پہاڑی سرداروں نے بھی گرو سے صلح کر لی۔ اور جنگ سے تباہ اس علاقے میں کچھ عرصہ تک امن دامان رہا۔

چھٹا باب

"مبارک ہے وہ شخص جو جنگ
لڑتے ہوئے بھی خدا کی یاد
رکھتا ہے ____"

گرو گوبند سنگھ

گرو نے امن و امان کے اس مختصر سے عرصہ میں اپنے سکھوں کو زندگی کے نفیس ترین روحانی اور سماجی پہلوؤں کی تعلیم دی۔ عورتیں اور مرد طویل مسافت طے کرنے کے بعد ان کا دیدار کرنے کے لیے آتے اور جیسا کہ گرو کا حکم تھا ان کے لیے ہتھیار اور گھوڑے لاتے۔ لوگ صبح و شام جمع ہوتے۔ موسیقار خدا کی حمد و ثنا کے گیت گاتے اور گرو یہ اپدیش دیتے کہ اپنے آپ کو خدائے بزرگ و برتر کے سپرد کر دو۔ اسے ہمیشہ یاد رکھو۔ اور ہر ایک کام اس کا نام لے کر اور اس کی خوشی کے لیے کرو۔ گرو اپنے پیروں کو ایک دوسرے کی مدد کرنے اور ساری نسل انسانی کو ایک سمجھنے کی ہدایت بھی دیتے۔

ایک دن گرو کو بڑی پیاس لگی اور انھوں نے پانی مانگا۔ ایک نو عمر لڑکا گرو کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے پانی لایا۔ گرو نے جب اس کے عورتوں کی طرح نرم و نازک ہاتھ دیکھے تو بولے "تمھارے ہاتھ بہت نرم ہیں۔ کیا تم نے ان کو کبھی استعمال نہیں کیا؟"

لڑکے نے گرو کی بات کی تائید کی۔ وہ امیر گھرانے میں پیدا ہوا تھا اور اس کے والدین اسے جسمانی محنت کا کام نہیں کرنے دیتے تھے۔ وہ جو پانی لایا تھا گرو نے وہ پانی پھینک دیا اور کہا ”میں ایسے ہاتھ سے کوئی چیز نہیں لوں گا جس نے دوسروں کی خدمت نہ کی ہو۔“

ایک سکھ سے یہ توقع کی جاتی تھی کہ وہ ہر سال اپنی جائیداد کا دسواں حصہ گرو کو دے۔ سکھ یہ فرض بڑی عقیدت کے ساتھ سرانجام دیتے تھے۔ اور سمجھتے تھے یہ گرو کی ان پر عنایت ہے۔ وہ پنجاب ہی سے نہیں بلکہ دیش کے کونے کونے سے اور کابل اور قندھار تک سے آتے تھے۔ ایک دن ایک سکھ ان کے پاس امن وسکون کی تلاش میں آیا۔ اُس نے کہا ”میں نے بہت کچھ کما لیا ہے — اب میں آپ کے قدموں میں رہ کر آپ کے اُپدیش سُننا چاہتا ہوں اور مکتی حاصل کرنا چاہتا ہوں —“ گرو نے اسے ایک استاد کے حوالے کر دیا اور استاد سے کہا کہ وہ اسے لکھنا اور پڑھنا سکھائے تاکہ یہ بغور گرو کے شبد پڑھ سکے اور دوسروں کے لیے لکھ سکے۔ اور جب استاد نے گرو امرداس کی نظم آنند کا پہلا بند پڑھا — ”واہ واہ میری ماں — میں نے پرماتما کو پالیا ہے۔“ تو اس سکھ نے اس سے آگے پڑھنے سے انکار کر دیا۔ استاد نے گرو سے شاگرد کے نکمے پن کی شکایت کی گرو کے پوچھنے پر سکھ نے کہا — ”یہ مجھے اب اور کیا پڑھائیں گے اور میں اب اور کیا پڑھوں گا۔ میں نے گرو کو پالیا ہے، مجھ پر اس کی عنایت ہے۔ میرے یہاں آنے کا صرف اتنا ہی تو مقصد تھا۔“ گرو نے اسے گلے سے لگا لیا اور کہا — ”تم مبارک ہو کہ تم نے اس قدر جلد گرو کو پالیا اور اچھی طرح پالیا۔“

کاہن سنگھ نامی ایک سکھ گرو کا بڑا بھگت تھا۔ وہ ایک دفعہ دیوار پر پلستر کر رہا تھا۔ کہ کیچڑ کا ایک چھینٹا گرو کے لباس پر جا پڑا جبکہ وہ ادھر سے گزر رہے تھے۔ گرو نے از راہِ مذاق کہا — ایسے آدمی کے منہ پر تھپڑ مارنا چاہیئے —“ بہت سے سکھ اس کی طرف

پیٹکے اور بے چارے کو بہت زدو کوب کیا۔ گرو یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ وہ بہت رنجیدہ ہوئے انھوں نے کہا تم لوگوں نے میری ہدایت پر خوب اچھی طرح عمل کیا ہے "کیا کوئی ایسا ہے جو اس کے ساتھ اپنی بیٹی کی شادی کر دے۔ اسے میرے کام سے بہت لگاؤ ہے اسے ایک اچھی بیوی انعام کے طور پر ملنی چاہیئے" بہت سے سکھ دم بخود رہ گئے لیکن قندھار کے ایک سکھ نے فوراً اپنی بیٹی کی شادی اس غریب آدمی سے کر دینے کی پیش کش کی۔ گرو نے وردان دیا کہ اس کے یہاں پانچ بہادر بیٹے ہوں گے۔

گرو نے یہ سن کر کہ ان کے لنگر سے لوگوں کو ٹھیک طرح کھانا نہیں دیا جاتا بھیس بدلا اور لنگر میں جا کر روٹی مانگی۔ لنگر کے منتظموں نے کئی بہانے کیے اور روٹی دینے سے انکار کر دیا۔ کسی نے کہا کہ کھانا ابھی تیار نہیں ہے۔ "دوسرے نے کہا کہ پہلے گرو کھانا کھائیں گے۔ وہ وہاں سے شاعر نندلال کے گھر گئے اور کھانے کو مانگا۔ شاعر فوراً کچھ بغیر پکی چیزیں لے آیا اور اس نے ضرورت مند کو وہ چیزیں دیدیں۔ گرو نے یہ واقعہ ایک مجمع میں بیان کیا اور کہا "جب کوئی بھوکا تم سے کھانا مانگے تو بہانے نہیں بنانے چاہییں، تمہارے پاس جو کچھ بھی ہو دیدو — خدا تم پر رحم و کرم کرے گا۔ غریب آدمی کا منہ گرو کا خزانہ ہوتا ہے۔"

ایک دن گرو نے لنگر میں خوراک ختم ہوتی دیکھ کر گرو کی ماں نے سکھوں کو منع کر دیا کہ وہ دوسروں کو کھانا نہ دیا کریں۔ گرو نے یہ سنا تو بہت رنجیدہ ہوئے انھوں نے بددعا دی "جن لوگوں نے میری ماں کو یہ بری صلاح دی ہے۔ ترک ان کو تباہ کر دیں" ماں نے اپنی آنکھوں میں آنسو بھر کر التجا کی کہ وہ ان کو معاف کر دیں جنھوں نے اسے یہ غلط خبر دی تھی کہ لنگر میں اناج کم ہے۔"

گرو نے کہا "اے ماں! گرو کا لنگر کبھی خالی نہیں ہوتا۔ میرے خالصہ کا لنگر بھی کبھی ختم نہیں ہوگا جب تک کہ وہ دوسروں کی خدمت کرنے کے لیے تیار رہے گا۔"

اور گرو نے ان لوگوں کو معاف کر دیا۔ جو اس مجرمانہ فعل کے ذمہ دار تھے۔

دریں اثناء راجہ اجمیر چند نے ایک برہمن کو بھگت کے لباس میں گرو کے دربار میں بھیجا تاکہ وہ گرو کی سرگرمیوں پر نظر رکھے اور یہ دیکھے کہ گرو کا خزانہ کتنا بڑا ہے۔ وہ برہمن مخبری کرتا رہا اور اس کی مخبری کی وجہ سے گرو کے اصطبل سے دو بہت ہی نفیس گھوڑے چوری ہو گئے۔

ایک دن اس نے گرو کو مشورہ دیا کہ وہ منڈی کے نزدیک راولسر کے میلے میں شرکت کریں جہاں ہر سال پہاڑی سردار بھی شریک ہوتے تھے۔ اس نے کہا کہ فریقین میں مفاہمت اور مصالحت کا یہ بہترین موقع ہے۔

گرو نے ماں کے سمجھانے بجھانے اور اپنے بھگتوں کی التجا پر میلے میں شرکت کرنے کی بات مان لی۔ گرو نے اپنے خیمے میں راجوں کا پرتپاک خیر مقدم کیا۔ راجے اور ان کی رانیاں گرو کے طور اطوار اور میٹھی زبان سے بہت مسحور ہوئیں۔ انھوں نے التجا کی کہ گرو ماضی کو بھلا دیں۔ گرو نے کہا "میرے گھرانے میں ماضی کو نہیں بلکہ حال اور مستقبل کو اہمیت دی جاتی ہے" گرو نے وہاں اپنی آمد کے سلسلے میں ایک عظیم الشان ضیافت کا اہتمام کیا اور چھوٹے بڑے سب کو اس میں شرکت کی دعوت دی۔ اونچی ذات کے برہمنوں نے یہ دعوت ٹھکرا دی اور کہا — "گرو نے ہمارے بزرگوں کے دھرم کو خراب کر دیا ہے۔ ہم نیچ ذات کے لوگوں کے ساتھ مل کر کیسے کھا سکتے ہیں اور گرو کے طرز زندگی کو اپنا کر دیوی دیوتاؤں پر اپنے صدیوں پرانے اعتقاد اور رسم و رواج کو کیسے ترک کر سکتے ہیں۔"

یہ جانتے ہوئے کہ پہاڑی لوگ بڑے توہم پرست ہوتے ہیں اور جیوتش پر یقین رکھتے ہیں۔ گرو نے کہا "میرے سکھ کبھی توہمات کا شکار نہیں ہوں گے۔ ان کے نزدیک ایک لمحہ اتنا ہی اچھا ہوتا ہے جتنا دوسرا لمحہ۔ جو شخص خدا پر اعتقاد رکھتا ہے وہ جیوتش یا اس قسم کے دیگر توہمات کے ذریعہ اس کے بھیدوں کو جاننے کی کوشش نہیں کرے گا۔"

کہتے ہیں کہ ہرگوپال نام کے ایک ویشنو کا باپ گرو کا بھگت بن گیا تھا — وہ اپنے

والد کے اس نئے دھرم سے متاثر ہو کر اچھا نذرانہ لے کر گرو کے دیدار کے لیے آیا۔ لیکن گرو کو گوشت کھاتا ہوا دیکھ کر وہ بہت مایوس ہوا۔ اگرچہ اس نے کہا یہی کہ وہ گرو پر مکمل طور سے اعتقاد رکھتا ہے اور گرو نے اس کو آشیرواد کے ساتھ لوہے کا کڑا بھی دیا۔ لیکن گھر واپس جاتے ہوئے اس نے ایک سکھ سے اپنے دل کی بات کہی کہ اس نے گرو پر خواہ مخواہ روپیہ ضائع کیا۔ کیونکہ گرو تو گوشت کھاتے ہیں۔ سکھ نے کہا کہ گرو نے اسے جو آشیرواد دی ہے اور لوہے کا جو کڑا اسے دیا ہے وہ اسے دیدے اور اس کے نجات دہندہ پر اس نے جتنا روپیہ صرف کیا ہے اس سے لے لے ۔ ویشنو اس سودے پر بہت خوش ہوا اور فرطِ مسرت سے گرو کے بھگت سے اپنا روپیہ واپس لے لیا لیکن تھوڑے سے عرصے کے بعد اسے بیوپار میں اتنا زبردست گھاٹا پڑا کہ نہ اس کے پاس روپیہ رہا نہ ذہنی سکون۔ وہ گرو سے معافی مانگنے کے لیے واپس گیا۔ گرو نے اسے معاف کر دیا اور کہا ــــ "گرو وہی خوراک کھاتا ہے جو پرماتما سے اسے ملتی ہے۔ وہ منہ کے ذائقہ کے لیے نہیں کھاتا بلکہ اس لیے کھاتا ہے کہ وہ صحت مند رہے۔ اور خدا کے آدرش کو پورا کرنے کے قابل رہے۔ آدمی خوراک، لباس اور رسومات پر، ذات پات، برادری اور مسلک پر لڑتے ہیں۔ اور انسان کو انسان سے جدا کر دیا گیا ہے۔ میرا آدرش یہ ہے کہ نسلِ انسانی کو صرف ایک برادری دیدوں ــ اس لیے میں ایک قسم کے انسان سے کیسے محبت کر سکتا ہوں اور دوسرے سے کیسے نفرت کر سکتا ہوں؟ وہ لوگ جنھوں نے اپنے اعمال اور اپنی زندگیاں خدا کے لیے وقف کر رکھی ہوتی ہیں وہ ہر اس چیز کو مقدس اور اچھی سمجھتے ہیں جو خدا کی طرف سے انھیں ملتی ہے ــ میرے سکھ خیرات یا مذہبی بھینٹ پر زندہ نہیں رہیں گے بلکہ زندہ رہنے کے لیے ایمانداری سے کمائی کریں گے اور اپنی کمائی میں سے حصہ دیں گے اور اپنے ہر فعل و عمل کے وقت اپنے دلوں میں خدا کو یاد رکھیں گے۔ باقی سب باتیں ثانوی اور بے کار ہیں ۔"

ایک برہمن نے شکایت کی کہ چند پٹھان اس کی بیوی کو اغوا کر کے لے گئے ہیں۔

گرو نے اپنے نوعمر بیٹے اجیت سنگھ کی قیادت میں ایک سو گھوڑ سواروں کی فوج مہم برہمن کی بیوی کو واپس لانے کے لیے بھیجی۔ اجیت سنگھ رات کو پٹھانوں پر بجلی کی طرح ٹوٹ پڑا اور وہ قصورواروں کو برہمن کی دلہن کے ہمراہ گرو کے روبروئے آیا۔ عورت اس کے خاوند کے حوالے کر دی گئی اور پٹھانوں کو ان کی اس بری حرکت کی سزا دی گئی۔

گرو کی شہرت دور دور تک پھیلتی جا رہی تھی اور پہاڑی سردار خوفزدہ ہوتے جا رہے تھے۔ اُن دنوں دو جرنیل سید بیگ اور الف خاں دلی سے لاہور کی طرف بڑھ رہے تھے۔ راجہ اجمیر چند نے اس موقع کو غنیمت جانا اور ان سے امداد طلب کی دونوں جرنیلوں نے جب یہ سنا کہ گرو ایک پاکباز انسان ہیں تو سید بیگ نے لڑنے سے انکار کر دیا۔ وہ سکھوں کی صفوں میں شامل ہو گیا۔ اس نے اور اس کی فوجوں نے مل کر الف خاں کا پیچھا کیا۔ الف خان کو بھاری نقصان پہنچایا اور اسے پسپا ہونے پر مجبور کر دیا۔ سید بیگ نے اپنی ساری دولت گرو کے حوالے کر دی اور اس نے فیصلہ کیا کہ وہ آئندہ گرو کے سکھ دکھ میں شریک رہے گا۔

امن واماں کے قلیل عرصے کے بعد پہاڑی سرداروں نے دس ہزار فوج سے پھر آنند پور پر حملہ کیا۔ گرو کے پاس صرف آٹھ سو آدمی تھے۔ لیکن انھوں نے اپنے آدمیوں سے کہا کہ اس دفعہ وہ کھلے میدان میں دشمن کا مقابلہ کریں اور فصیلوں کے پیچھے سے مقابلہ نہ کریں۔ کشت و خون کا آغاز ہوا۔ گرو نے خالصہ فوج کو ہدایت کی کہ وہ محفوظ اور اونچے مورچوں سے دشمن پر تیر برسائیں اور گولہ باری کریں۔ دشمن کا تعاقب نہ کریں اور تلواروں سے دو بدو نہ لڑیں۔ لیکن جب سکھ فوجوں نے دیکھا کہ دشمن پسپا ہو رہا ہے تو انھوں نے اس کا تعاقب کیا۔ گرو بہت ناراض ہوئے کیونکہ وہ پیش بینی کر چکے تھے کہ دشمن یہ دیکھے گا کہ سکھ فوجوں کی تعداد بہت کم ہے تو ان پر ٹوٹ پڑے گا اور بھاری جانی نقصان پہنچائے گا۔ گرو نے کمان خود سنبھالی۔ خالصہ اس بات پر اتنے جوش میں آگئے کہ انھوں نے دشمن کا صفایا کر دیا۔

بہرکیف فتح کے بعد امن اور چین کا عرصہ بہت ہی مختصر ثابت ہوا۔ کیونکہ پہاڑی سرداروں کی التجاؤں پر مغل جرنیل سید خاں کی قیادت میں شاہی فوجیں گرو کے گھرانے کی طرف بڑھیں اس وقت گرو کے پاس صرف پانچ سو آدمی تھے۔ انھوں نے جنرل سید بیگ اور میمون خاں کی قیادت میں اپنی فوجوں کو صف آرا کیا۔ میمون خاں بھی اُن کا بھگت تھا۔ پہلے پہل تو سکھوں کے حوصلے پست ہو گئے کہ بہت بڑی فوج آنند پور کی طرف بڑھ رہی تھی لیکن گرو نے ان کی ہمت بندھائی اور کہا "آخر میں انسان کے حوصلے کی جیت ہوتی ہے۔ بھاری تعداد میں آدمیوں اور اسلحہ کی نہیں۔ اور جو لوگ جنگ کے لیے کوئی اخلاقی آدرش رکھتے ہیں خدا ان کے ساتھ ہوتا ہے۔" سید بیگ نے ایک پہاڑی سردار سے دوبدو مقابلہ کیا اور اسے ہلاک کر دیا۔ یہ دیکھ کر ایک مغل جرنیل دین بیگ نے جو سید بیگ سے اس لیے نفرت کرتا تھا کہ وہ مغل فوج کو چھوڑ چکا تھا، پیچھے سے وار کیا اور سید بیگ کو مار ڈالا۔ میمون خان اور سکھ بڑی بہادری سے لڑے اور انھوں نے دشمن کے بہت سے آدمی تہِ تیغ کر دیے۔ شجاعت کے ایسے حیرت انگیز کارنامے دیکھ کر جنرل سید خاں گھوڑے پر سوار خود گرو کی طرف بڑھا۔ لیکن گرو کا نورانی اور مقدس چہرہ دیکھ کر اس نے کہا "آپ پہلے وار کیجیے۔ پہلا وار کرنے کے لیے میرا دل نہیں چاہتا۔" گرو نے جواب دیا "میرے گھرانے میں پہلا وار نہیں کیا جاتا۔ اگر آپ مجھ پر وار نہیں کریں گے تو بھی آپ پر وار نہیں کروں گا۔" یہ الفاظ سن کر جرنیل کا دل بھر آیا۔ وہ گھوڑے پر سے اترا اور گرو کے قدموں میں گر پڑا۔ گرو نے خدا کے نام پر اسے آشیرواد دی اور کہا "سید خاں تم دونوں جہان میں محفوظ رہو گے۔" لیکن سید خاں اپنی فوجوں کو سکھوں سے جنگ کرنے کو باز نہ رکھ سکا۔ جب دوسرا کمانڈر رمضان خاں گرو کے خلاف میدان میں اترا تو سید خاں دور چلا گیا۔ گرو نے تیر چلایا اور رمضان خاں کے گھوڑے کو ہلاک کر دیا۔ لیکن اس دفعہ گرو کی فوجوں کی تعداد اتنی کم تھی کہ وہ جیت نہیں سکتے تھے۔ گرو نے فیصلہ کیا کہ وہ آنند پور کو چھوڑ کر چلے جائیں گے۔ مغل فوج نے آنند پور پر

قبضہ کرلیا اور اسے لُوٹ لیا۔

سکھوں کو اپنی شکست پر اتنی جھلاہٹ ہوئی کہ انھوں نے دشمن کا پیچھا کرنے اور شکست کی مذمت برداشت کرنے کے بجائے لڑتے ہوئے مرجانے کی اجازت گرو سے مانگی۔ گرو نے اجازت دے دی۔ انھوں نے تیزی سے دشمن کا تعاقب کیا اور بہت سے سپاہیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور انھوں نے دشمن سے بہت سا لوٹا ہوا مال بھی چھین لیا۔ بہت سے سکھ شہید ہوئے لیکن جو زندہ بچ رہے انھیں دیکھ کر گرو بہت خوش ہوئے اور وہ اطمینان سے اُن کے ہمراہ آنند پور واپس آ گئے۔

مغل فوج کو اپنی بھاری فوج کی شکست اور تباہی پر سخت صدمہ ہوا۔ قاضی نے مشورہ دیا کہ گرو کو شہنشاہ کے روبرو حاضر کیا جائے۔ اورنگ زیب نے یہ بات مان لی اور گرو کو ایک پیغام بھیجا ــ "آپ کا دھرم اور میرا مذہب وحدتِ الٰہی پر یقین رکھتا ہے۔ ہم دونوں کے درمیان غلط فہمی کیوں ہو ــ؟ آپ کے لیے اور کسی دوسرے کے لیے میرے اقتدارِ اعلیٰ کو تسلیم کرنے کے سوا کوئی اور چارہ ہی نہیں ہے کیونکہ یہ اقتدارِ اعلیٰ اللہ نے دیا ہے جو عظیم تر ہے۔ اگر آپ کو کوئی شکایت ہے تو مجھ سے آ کر ملیے۔ میں آپ کے ساتھ ایسا ہی سلوک کروں گا جیسا پرہیزگار درویش سے کیا جاتا ہے مگر میرے اختیار و اقتدار کو چیلنج نہ کیجیے، ورنہ مجھے خود آپ کے خلاف دھاوا بولنا پڑے گا۔"

گرو نے اس پیغام کا یہ جواب دیا ــ "صرف ایک ہی مختارِ کل ہے اور وہی قوتِ تمام ہے۔ اور اے شاہِ جہاں ــ آپ اور میں دونوں ہی مشیتِ ایزدی کے تابع ہیں۔ لیکن آپ اس بات کو نہیں مانتے ہیں۔ آپ امتیاز برتتے ہیں اور ان لوگوں پر آپ ظلم ڈھاتے ہیں جو مختلف دھرم رکھتے ہیں اور آپ ان لوگوں کو اور ان کے دھرم کو تباہ کرتے ہیں۔ خدا نے ایک خاص فریضہ سونپ کر بھیجا ہے کہ میں اس روئے زمین پر صداقت کو بحال کروں۔ جب ہم دونوں کے طور طریقے الگ

ہیں۔ میں آپ سے کیسے صلح کر سکتا ہوں ـــ،، لیکن گرو نے شہنشاہ کے ایلچی کے ساتھ بہت ہی شائستہ سلوک کیا اور اسے ایک خلعت عطا کیا۔

ساتواں باب

"وہ جو عشق کو اپناتا ہے،
وہ موت کی وادی سے گزرتا ہے!"

——— گرونانک

ملک کے مختلف حصّوں سے خاص طور پر وسطی پنجاب سے سِکھ بھاری تعداد میں گرو کے دیدار کے لیے آیا کرتے تھے۔ گرو کے حکم کے مطابق وہ گھوڑوں یا ہتھیاروں کے نذرانے لایا کرتے تھے۔ وہ آنندپور آکر فنِ حرب و ضرب سیکھتے تھے۔ لیکن گرو یہ محسوس کرتے تھے کہ آس پاس اگرچہ سکون ہے مگر طوفان کا پیش خیمہ ہے۔ وہ چاہتے تھے کہ اگر کسی وقت کسی طرف سے حملہ ہو تو وہ تیاری کے بغیر اچانک غفلت میں نہ مارے جائیں۔

پہاڑی سردار بھی شاہی فوجوں کے ساتھ مل کر سکھوں سے ٹکر لینے کی ایک آخری اور فیصلہ کن کوشش کرنا چاہتے تھے۔ لہٰذا انھوں نے اس دفعہ راجہ اجمیر کو ایلچی بنا کر دکن بھیجا جہاں شہنشاہ دہلی دکن کے سلطانوں کے خلاف جنگ لڑ رہے تھے۔ راجہ ذاتی طور پر شہنشاہ سے ملا اور اس نے اپنی برادری کی طرف سے ایک درخواست شہنشاہ کو پیش کی جس میں گذشتہ ایک صدی سے زیادہ عرصہ

سے گرو کے گھرانے کی دشمنانہ سرگرمیوں کی تفصیلات درج تھیں کہ کیسے ان سرگرمیوں کا نتیجہ گرو کے والد اور پڑ دادا کی شہادت کی صورت میں برآمد ہوا تھا۔ شہنشاہ کو یہ بتایا گیا کہ گرو نے جس نئے مذہب کی بنیاد رکھی تھی اس کا مطلب یہ تھا کہ تمام ہندو اس مذہب کو قبول کرلیں اور مغل سلطنت کے خلاف جنگ چھیڑ دیں۔ شہنشاہ یہ خبریں سن کر خوفزدہ ہوگیا اور اس نے حکم دیا کہ سرہند کے صوبیدار وزیر خاں کی اعلیٰ کمان میں دلّی، سرہند اور لاہور میں موجود تمام فوجیں آنند پور کی طرف بڑھیں اور ان فوجوں میں پہاڑی فوجیں شامل ہو جائیں۔ دلّی میں اور دوسری جگہوں پر گرو کے جو بھگت تھے ان کی وساطت سے گرو کو آنے والے طوفان کی اطلاع مل گئی۔ دلّی کی شاہی فوج کے سپاہیوں کو اس وقت فارغ نہیں کیا جا سکتا تھا لیکن سرہند اور لاہور کے سپاہی گرو کے قلیل مسلح سپاہیوں کے مقابلے میں ایک ناقابلِ تسخیر لشکر بن گئے۔

جب دشمن کے لشکر آنند پور پہنچے تو سکھوں نے بڑی شدت اور تیزی کے ساتھ اپنی توپوں سے اتنی شدید گولہ باری کی کہ دشمن کے بہت سے سپاہی اور گھوڑے ہلاک ہو گئے۔ گرو کی فوج قلعے کے اندر سے گولہ باری کر رہی تھی۔ دشمن کے پاس ایسی کوئی اوٹ نہیں تھی اور وہ نشیب میں تھا۔ گرو کے دو جرنیلوں اُودے سنگھ اور دیا سنگھ کو دن بھر کی جنگ کے اختتام پر یہ حکم دیا گیا کہ وہ دشمن پر دھاوا بول دیں۔ وہ اپنے برق رفتار سپاہیوں کے ساتھ دشمن کی صفوں پر ٹوٹ پڑے۔ دشمن کا بھاری جانی نقصان ہوا۔ فوجوں کو از سرِ نو منظم کرنے کے بعد دشمن جیسا کہ ہم دیکھیں گے، ایک نئی حکمت عملی اپنانے پر مجبور ہوگیا۔ ہر آدمی کے دل میں یہ خطرہ رینگ رہا تھا کہ گرو معجزے دکھاتا ہے، سچا ثابت ہو رہا تھا۔ میکالف لکھتا ہے کہ جنگ کے پہلے دن دشمن کے ۹۰۰ سپاہی مارے گئے۔

اگلے دن گرو گھوڑے پر سوار خود میدان میں اترے۔ انھوں نے تیر اندازی کے فن کا شاندار مظاہرہ کیا اور گرو کے آدمیوں نے بڑی صحت درستی کے ساتھ نشانے لگائے۔ گرو کو زندہ پکڑنے یا ہلاک کرنے کی تمام کوششیں ناکام رہیں۔ لہٰذا داؤ پیچ بدل دینے کا فیصلہ کیا گیا۔ وہ قلعے کو جانے والے سامان کا راستہ کاٹ دینا چاہتے تھے تاکہ گرو اور ان کے آدمی فاقہ کشی کریں اور اطاعت قبول کرلیں۔ گرو نے اپنے پیروؤں سے کہا کہ وہ قلعے سے باہر نہ جائیں بلکہ قلعے کو مختلف کمانڈروں کے تحت رہنے دیں جن میں ان کا بیٹا اجیت سنگھ بھی شامل تھا۔ دشمن نے سپلائی لائن کاٹ دی۔ رات کے اندھیرے میں سکھ دشمن پر ٹوٹ پڑے۔ انھوں نے دشمن کی صفوں میں تباہی پھیلادی اور بہت سا سامان لوٹ لیا۔ دن نکلا تو دشمن نے ایک اور حملہ کیا لیکن سکھوں کی توپوں کے سامنے یہ حملہ بھی ناکام رہا۔

ان دنوں ایک سکھ بھائی کنھیا کے بارے میں گرو سے شکایت کی گئی کہ وہ جنگ میں زخمی ہونے والے دشمن ہوں یا دوست سب کو پانی پلاتا ہے۔ گرو نے اسے طلب کیا اور پوچھا کہ وہ دشمن کے زخمی سپاہیوں کو پانی کیوں پلاتا ہے۔ کنھیا نے جواب دیا— "مجھے آپ ہی نے تو سکھایا ہے کہ میں انسانوں میں کوئی امتیاز نہ رکھوں۔ مجھے تو زخمیوں میں صرف آپ ہی نظر آتے ہیں۔" گرو جی اس کے جواب سے اس قدر خوش ہوئے کہ انھوں نے اسے مکتی کی آشیرواد دی۔ گرو کے بھگت سیوا پنتھی جن کی زندگی کا مقصد صرف خدمت ہے۔ آج بھی سکھ فرقہ کا ایک باعزت حصہ ہیں۔

محصور سپاہیوں کی دشواریاں روز بروز بڑھتی جارہی تھیں۔ اگرچہ سکھ شب خون مارتے تھے لیکن قلعہ کے اندر جو تھوڑی سی خوراک رہ گئی تھی اس پر زندہ رہنا قریب قریب محال ہوگیا تھا۔ پانی کی سپلائی بھی ختم ہوتی جارہی تھی۔ فاقہ کشی کا بھوت

سب کے سامنے منہ پھاڑے کھڑا تھا۔ چند سپاہیوں نے گرو کی ماں سے شکایت کی کہ ان کی دشواریوں کو خواہ مخواہ طول دیا جا رہا ہے کیوں کہ گرو ان کو باہر نہیں جانے دیتے۔ کبھی کبھی رات کو باہر جانے کی اجازت ملتی ہے اور جو سامان لوٹ کر لایا جاتا ہے اس پر دیر تک گزر بسر نہیں ہو سکتی اور ایسے حملوں میں جانی نقصان بھی بہت ہوتا ہے۔ کچھ عرصے تک وہ درختوں کے پتوں اور چھال کو پیس کر اور آٹا بنا کر اس پر گذارہ کرتے رہے۔ سینکڑوں نے گرو سے یہ اجازت مانگی کہ ان کو جانے دیا جائے۔ گرو سخت پریشان ہوئے۔ انھوں نے کہا کہ وہ ان کو ایسا کرنے کی اجازت دیدیں گے اگر وہ یہ تحریر دیں کہ وہ ان کو اپنا گرو نہیں مانتے۔ چند لوگوں نے یہ لکھ کر بھی دے دیا اور کہا: "نہ آپ ہمارے گرو ہیں اور نہ ہم آپ کے سکھ ہیں۔" لیکن جیسا کہ ہم دیکھیں گے، جب وہ گھروں کو واپس گئے تو عورتوں نے انہیں اس قدر شرمندہ کیا کہ وہ مُکتسر میں جنگ لڑنے کے لیے واپس آگئے اور ان میں سے ایک ایک نے لڑتے ہوئے گرو کے لیے جان دیدی۔

یہ دیکھتے ہوئے کہ سکھ ہتھیار نہیں ڈال رہے تھے اگرچہ تمام اندازوں کے مطابق محاصرے کے سات مہینے بعد ان کے سارے ذرائع ختم ہو چکے تھے پہاڑی سرداروں نے ایک اور تدبیر سوچی۔ انھوں نے ایک برہمن کو ایلچی بنا کر بھیجا اور اس نے کہا کہ ہندو اور مسلمان یہ قسم کھاتے ہیں کہ اگر گرو آنند پور کا قلعہ چھوڑ دیں تو دشمن کی فوجیں پیچھے ہٹ جائیں گی اور گرو بعد میں اپنی مرضی سے قلعے میں واپس آسکتے ہیں۔ سکھ اپنا منقولہ سامان بھی اپنے ساتھ لے جا سکتے ہیں۔ گرو نے بھانپ لیا کہ یہ تجویز انھیں موروچوں سے نکالنے کی ایک چال تھی۔ گرو نے وہ تجویز منظور نہ کی لیکن ان کی ماں اور ان کے بھگتوں کی التجاؤں نے ان کے لیے اور کوئی چارہ نہ چھوڑا۔ بہرکیف دشمن کے قول کو آزمانے کے لیے انھوں نے بیل منگوائے تاکہ وہ ان کا سامان لے جائیں۔ ان کی یہ مانگ فوراً پوری کر دی گئی۔ گرو نے بیکار اور ناقابلِ استعمال چیزیں باہر بھیجیں اور

ان کو کمخواب سے ڈھک دیا۔ اس قافلے کو مشعلوں کی مدد سے رات گئے باہر جانا تھا۔ جب یہ قافلہ دشمن کے پڑاؤ میں پہنچا تو دشمن دانت کٹکٹا کر انھیں پر ٹوٹ پڑا۔ انھوں نے اپنی قسم توڑ دی اور پیمان شکنی کی۔ لیکن جب دن نکلا اور انھوں نے اپنا لوٹ کا مال دیکھا تو بے حد شرمندہ ہوئے۔ ان کو پتہ چل گیا کہ گرو ان کے جال میں نہیں پھنس سکتے۔

گرو نے اب اپنے پیرودں کو وہ بات سمجھائی جو انھوں نے ان کو پہلے بتائی تھی۔ لیکن دریں اثناء مغلوں نے اپنی چال کے بارے میں گرو کا ردعمل محسوس کرتے ہوئے ایک اور ایلچی بھیجا جس کے بارے میں یہ کہا گیا تھا کہ وہ شہنشاہ اورنگ زیب کے اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا پیغام لایا تھا۔ اس پیغام میں اظہار افسوس کیا گیا تھا کہ شاہی فوجوں نے غلط برتاؤ کیا اور اس پیغام میں وعدہ کیا گیا کہ اگر گرو آنندپور کو چھوڑ جائیں گے تو ان کو حفاظت سے گزر جانے دیا جائے گا۔ سکھوں کی حالت خراب تھی۔ گرو کی ماں نے بھی ان کی ہاں میں ہاں ملائی اور گرو سے التجا کی کہ وہ شہنشاہ کی پیش کش قبول کرلیں اور اپنے معصوم پیرودں کو بھوکوں نہ مرنے دیں۔ اگر شاہی فوجیں وعدہ شکنی کریں گی تو یہ بھی اچھا رہے گا۔ دلیل یہ دی گئی کہ بھوکوں مرنے کے بجائے لڑتے ہوئے مرنا اچھا ہے۔ گرو نے موخرالذکر تجویز مان لی۔ انھوں نے اپنے مال و متاع کو آگ لگا دی اور ایسی چیزوں کو جنہیں جلایا نہیں جا سکتا تھا دفنا دیا گیا۔ گرو کی ماں کو گرو کے دو چھوٹے ۶ اور ۸ سال کے بیٹوں اور ان کی بیویوں کے ہمراہ پہلے جانا تھا اور گرو کو اپنے پانچ سو پیرودں اور اپنے دو بڑے بیٹوں کے ہمراہ رات گئے بعد میں جانا تھا۔ وہ ۱۷۰۴ء کے سال کے دسمبر کا سخت سردی کا مہینہ تھا۔

سرسہ پہنچ کر گرو اپنی ماں اور اپنے دو چھوٹے بیٹوں سے ملے اور انھوں نے ان کو اپنے بھگت ایک سکھ کے سپرد کر دیا اور کہا کہ وہ ان کو دِلّی لے جائے جہاں ان کی

دو بیویاں پہلے ہی جا چکی تھیں۔ وہ سکھ ان کو دلّی لے جانے کے بجائے رو پڑ میں اپنے ایک رشتہ دار کے یہاں لے گیا۔ رو پڑ میں گرو کی ماں ایک برہمن گنگو سے ملی جو کبھی ان ان کے یہاں رسوئیا رہ چکا تھا۔ وہ بعد میں ان کو سرہند کے نزدیک موضع کھیڑی میں لے گیا۔ گنگو نے غداری کی اور ان کو سرہند کے نواب کے حوالے کر دیا۔ نواب نے ان سے کہا کہ وہ اسلام یا موت دونوں میں سے کوئی بات چُن لیں۔

کہا جاتا ہے کہ بڑے بیٹے نے کہا ـــــ "ہم گرو گوبند سنگھ کے بیٹے ہیں جو نہ کبھی کسی سے ہارے ہیں اور نہ کسی کے آگے جھکے ہیں۔ ہمارے دادا شہید ہو گئے لیکن انھوں نے اپنا دھرم نہ چھوڑا۔ ہم بھی ایسا ہی کریں گے۔"

جب ان سے کہا گیا کہ وہ نواب کے آگے اپنا سر جھکا دیں تو وہ چھوٹے سورما سیدھے تن کر کھڑے رہے۔ انھوں نے نواب کی تعظیم کرنے سے انکار کر دیا جو ظالم و جابر حکومت کا نمائندہ تھا اور وہ جابر حکومت ان کے والد اور ان کے پیرووں کو قتل کر دینے کے درپے تھی۔ جب ان سے یہ کہا گیا کہ ان کے والد مر چکے ہیں اور اب اس دنیا میں اُن کے لیے کوئی امید باقی نہیں ہے تو کہا جاتا ہے کہ انھوں نے جواب دیا "ہمارے والد لا فانی ہیں۔ موت ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔"

یہ جانتے ہوئے کہ ان کی عمر چھوٹی تھی اور اس پر بھی وہ ارادے کے مضبوط اور اپنے دھرم پر استحکام کے ساتھ قائم تھے نواب نے حکم دیا کہ ان کو دیوار میں زندہ چن دیا جائے۔ [1]

مورخین نے معصوم لڑکوں کی مردانگی اور بے خوفی کی بے حد تعریف کی ہے۔ گرو گوبند سنگھ کے بیٹوں سے یہی توقع کی جا سکتی تھی۔ بہر کیف گرو کی معمر ماں کے

---

[1] بعض مورخین کہتے ہیں کہ انہیں قتل کر دیا گیا تھا۔

لیے یہ صدمہ ناقابلِ برداشت تھا۔ یہ خبر سنتے ہی وہ بے ہوش ہوگئیں اور اس کے بعد ان کو ہوش نہ آیا۔

مغل حکام نے برہمن کے گھر کی تلاشی لی۔ ان کو یہ شک تھا کہ اُس نے گرو کی ماں کی قیمتی اشیاء اور زیورات کہیں چھپا کر اپنے پاس رکھ لیے ہیں۔ جب برہمن نے بتانے سے انکار کر دیا کہ وہ خزانہ کہاں دفن تھا تو اسے اذیت دے کر ہلاک کر دیا گیا۔ صرف مالیر کوٹلہ کے نواب نے گرو کے بیٹوں کے خلاف اس وحشیانہ ظلم کیلیے صدائے احتجاج بلند کی اور کہا "باپ کے گناہوں کی سزا نو عمر بیٹوں کو نہیں ملنی چاہیے۔ اگر ہم گرو کو شکست نہیں دے سکے تو ہم ننھے بچوں سے انتقام کیوں لیں "۔ لیکن اس کی کوئی سنوائی نہ ہوئی۔ بندہ سنگھ بہادر کی قیادت میں سکھوں نے مالیر کوٹلہ کے گھرانے کی اس انسان دوستی کو کچھ اس طرح یاد رکھا کہ جب انھوں نے سرہند کو مکمل طور پر تباہ و برباد کر دیا اور وزیر خاں اور اس کے خاندان کو قتل کر دیا تو مالیر کوٹلہ کے نواب پر کوئی آنچ نہ آنے دی۔ [۱]

مغل فوج اب بھی گرو گوبند سنگھ کا پیچھا کر رہی تھی۔ گرو نے چمکور کے مٹی کے قلعے میں جا کر پناہ لی جس کی مرمت کی گئی تھی، وہاں گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ گرو کے پاس اس وقت چالیس سکھ تھے [۲] ان چالیس سکھوں میں سے صرف پانچ سکھ زندہ

---

[۱] ۱۹۴۷ء میں بدترین فرقہ وارانہ قتلِ عام کے دوران جب منقسم پنجاب کی ہندو، سکھ اور مسلم آبادی کشت و خون سے گزر کر اپنے اپنے وطن پہنچی تو اس وقت بھی مالیر کوٹلہ کے مسلمانوں پر کوئی آنچ نہ آئی اور ان سے درخواست کی گئی کہ وہ نواب کے ہمراہ ہندوستان ہی میں رہیں۔ اور مالیر کوٹلہ کے مسلمان ہندوستان ہی میں رہ گئے۔ [۲] اگلے صفحہ پر دیکھیے۔

بچے ۔ باقی سکھوں کو سرسہ میں چھوڑ دیا گیا تھا تاکہ وہ اس وقت تک مغلوں کے حملے کا ڈٹ کر مقابلہ کریں جب تک کہ گرو حفاظت سے بچ کر نہیں نکل جاتے ۔ گرو کے دو بڑے بیٹے اجیت سنگھ اور جوجھار سنگھ چمکور میں لڑتے ہوئے شہید ہوئے ۔ گرو نے اس بات پر زور دیا تھا اور ان کے پیرودں کو بہت دکھ ہوا تھا کہ اگر ان کے بیٹے پہلے شہید نہیں ہوں گے تو وہ شہادت پانے والوں میں آخری بھی نہیں ہوں گے ۔ گرو نے اپنی آنکھوں کے سامنے ان کو گرتے ہوئے دیکھا اور وہ خدا کا شکر بجا لائے ۔ انھوں نے کہا ۔ "اے پرماتما ! جو کچھ آپ کا تھا میں نے آپ کے حوالے کر دیا ہے ۔"

اب گرو کی اپنی زندگی خطرے میں تھی ۔ لیکن انھوں نے پانچ سکھوں کو چھوڑ کر جانے سے انکار کر دیا جو ان کے ساتھ تھے ۔ انھوں نے گرو کی بہت منّت سماجت کی اور کہا کہ اگر وہ زندہ رہیں گے تو دھرم پھر ایک ناقابلِ تسخیر قوّت بن جائے گا ۔ لیکن گرو نے کہا ۔ "میری زندگی میرے بھگت سکھ سے زیادہ قیمتی نہیں ہے ۔ اگر کوئی اور چارہ نہ رہا تو میں جنگ میں تمہارے ساتھ شہید ہوں گا ۔"

گرو کی یہ بات سُن کر سکھ بہت رنجیدہ ہوئے ۔ انھوں نے ایک تدبیر سوچی ۔ وہ پانچوں جمع ہوئے اور انھوں نے ایک قرار داد (گُرمتا) منظور کی اور گرو کو پیش کر دی ۔ اس قرار داد میں کہا گیا تھا ۔ "آپ نے ہمیشہ یہ کہا ہے کہ جہاں ہم پانچ ہوں گے جو آپ سے وابستہ ہو چکے ہیں وہاں آپ بھی ہوں گے ۔ ہم جو کچھ مانگیں گے ہمیں مل جائے گا ۔ اب ہم آپ کو آپ کے گرو کی حیثیت سے یہ حکم دیتے ہیں کہ آپ فوراً اس قلعے کو چھوڑ کر چلے جائیں اور ہمیں اپنی استعداد کے مطابق

لہ غالباً یہ وہ چالیس شہید تھے جن کو گرو نے آشیرواد دی تھی اور انہیں مکتا کہا تھا (مکتی پا جانے والے) سکھوں کے پاٹھ کے دوران ان کا ذکر کیا جاتا ہے ۔

دشمن سے لوہا لینے دیں۔" گرد اب مجبور ہو گئے کیونکہ ان کے ہی اقوال ان کے سامنے دوہرائے جا رہے تھے۔ گرد نے ان کا حکم ماننے کا فیصلہ کیا اور ان سب کو اپنے سینے سے لگا کر انھوں نے کہا: "خدا تمہاری حفاظت کرے گا، اس دنیا میں اور دوسری دنیا میں۔" یہ کہہ کر وہ روانہ ہوئے۔ اُن پانچوں میں سے دو مرمٹنے کے لیے پیچھے رہ گیے۔ ان میں سے ایک نے جس کا نام سنت سنگھ تھا گرو کی کلغی لگائی اور ایسا بھیس بدلا کہ دشمن اُسے گرو گوبند سنگھ سمجھے۔ مغل اس وقت بے حد مایوس ہوئے جب انھوں نے یہ دیکھا کہ جس شخص کو انھوں نے مار گرایا تھا وہ گرو گوبند سنگھ نہیں تھا بلکہ ان کا ایک پیرو تھا۔ گرو نے روانہ ہونے سے پہلے دو تیر چھوڑے جو مغل مشعل برداروں کی مشعلوں کو گراتے ہوئے ان کے سینے سے پار ہو گئے۔ تاریکی کے پردے میں گرو ننگے پاؤں چلتے ہوئے ماچھی واڑہ کے جنگل میں پہنچے جو روپڑ اور لدھیانہ کے درمیان واقع تھا اور وہاں تھک کر لیٹ گیے باقی تین سکھ بھی ہدایت کے مطابق ان سے آملے۔

گرد کو بتایا گیا کہ مغل فوج کا ایک دستہ اب بھی ان کا تعاقب کر رہا تھا۔ اس لیے کسی محفوظ مقام پر پہنچنا ان کے لیے ضروری ہو گیا۔ ان کے پیروں میں چھالے پڑ گئے تھے اور ان کے لیے چلنا دشوار ہو رہا تھا۔ ایک سکھ کے مکان میں جہاں وہ ایک دن کے لیے ٹھہر گئے تھے ان کی ملاقات دو پٹھانوں نبی خاں اور غنی خاں سے ہوئی جو ان کے دربار میں پہلے بھی آچکے تھے اور جنہوں نے عربی گھوڑے فروخت کیے تھے۔ ان پٹھانوں نے اپنی خدمات پیش کیں۔ یہ فیصلہ ہوا کہ دو پٹھان اور دو سکھ گرد کو ایک چارپائی پر اٹھا کر لے جائیں گے اور پانچواں آدمی ان کا ہاتھ بٹانے کے لیے ساتھ ساتھ چلے گا۔ گرد کو ایک ایسے مسلم پیر کا بھیس بدلوایا گیا جو ابھی ابھی حج سے لوٹا تھا اور روزہ دار تھا۔ یہ تدبیر کارگر ثابت ہوئی اور وہ حفاظت کے ساتھ

مغل فوجوں کے بیچ میں سے گزر گئے جو راہ میں پڑاؤ ڈالے پڑی تھیں۔

کہا جاتا ہے کہ مغل فوجی صرف اس صورت میں ان کو گزرنے دینا چاہتے تھے کہ پیر اور اس کے مرید ان کے ساتھ مل کر کھانا کھائیں۔ گرو نے روزہ دار ہونے کا بہانا کیا اور کہا کہ وہ کچے جو کے علاوہ کسی شے کو ہاتھ بھی نہ لگائیں گے۔ گرو نے اپنے تین سکھوں کو یہ مشورہ دیا کہ کھانے کو جو کچھ بھی پیش کیا جائے اُسے پرماتما کا نام لے کر کھا جائیں۔ جب گرو کو محفوظ مقام پر پہنچا کر دونوں پٹھانوں نے رخصت طلب کی تو گرو نے ان کو تحفے اور ایک سرٹیفیکیٹ دیا جو اُن پٹھانوں کے وارثوں کے پاس ابھی تک محفوظ ہے اور جب گرو کے کسی بھی بھگت کو یہ سرٹیفکیٹ دکھایا جاتا ہے تو وہ اس نیک خاندان کو کچھ نہ کچھ نذرانہ ضرور دیتا ہے۔

راستے میں گرو کی ملاقات مہنت کرپال سے ہوئی جو بھنگانی میں گرو کے ساتھ مل کر بہادری سے لڑا تھا لیکن کرپال مغلوں کے ڈر سے ان کو اپنے پاس نہیں رکھ سکتا تھا۔ اس کے بعد گرو جگراؤں اور رائے کوٹ گئے اور ان دو جگہوں کے مسلمان چودھری سے ملے جس کا نام رائے کلہا تھا۔ مسلمان چودھری جاٹ پورہ نام کے گاؤں میں آداب بجالایا۔ گرو نے اسے تلوار دیکر آشیرواد دی۔ یہاں گرو لکھی جنگل کی طرف روانہ ہوئے جہاں انھوں نے قدرتی مناظر کے درمیان چند روز کے لیے پڑاؤ ڈالا۔ جس کسی نے گرو کی آمد کی خبر سُنی اس کا دل خوشی کے جذبات سے بھر آیا۔ گرو لکھتے ہیں۔

"جب انھوں نے یہ سنا کہ ان کا رکھوالا آیا ہے تو وہ خدا کا شکر بجا لائے۔ انھوں نے نہ کچھ کھایا نہ کچھ پیا۔ وہ دوسرے دن کا انتظار کیے بغیر گرو کے دیدار کے لیے دوڑ پڑے تاکہ ان سے آشیرواد حاصل کریں۔"

یہاں گرو کو سرہند سے یہ دل خراش اطلاع موصول ہوئی کہ ان کی ماں اور

ان کے بیٹے شہید ہو گئے تھے۔ گرو ہمیشہ کی طرح پرسکون رہے۔ وہ گھٹنوں کے بل جھک گئے اور انھوں نے ہاتھ اٹھا کر دعا کی: "اے پرماتما! وہ دونوں آپ کی امانت تھے، میں نے آپ کو آپ کی امانت لوٹا دی ہے۔" اس کے بعد انھوں نے چاقو سے ایک سرکنڈے کو کاٹتے ہوئے یہ پیش گوئی کی: "جس طرح میں نے یہ سرکنڈہ جڑ سے اکھاڑ دیا ہے اسی طرح یہ جابر و ظالم سلطنت تباہ ہو جائے گی۔ نہ جڑ رہے گی نہ شاخ۔ اور ایسا بہت جلد ہوگا۔"

آٹھواں باب

"جب انسان کے لیے کوئی اور چارہ نہ رہے تو
اس کے لیے تلوار اٹھانا قطعی جائز ہے۔"

——— ظفر نامہ

گرو جاٹ پورہ سے دینا کی طرف چل پڑے۔ راستے میں ایک سکھ نے ان کو اپنا گھوڑا دیا۔ اس طرح ان کو مغل فوجوں سے تیزی کے ساتھ بچ کر نکل جانے میں مدد ملی۔ ورنہ یہ بات ناممکن ہو جاتی۔ گرو کچھ دنوں تک دینا میں رہے۔ یہاں انھوں نے اپنی فارسی کی نظم "ظفر نامہ" لکھی۔ یہ اورنگ زیب کے نام ایک خط کی صورت میں ہے۔ یہ منظوم خط جابر اور گناہگار دنیاوی طاقت کے خلاف سرکشی اور نفرت کے جذبات سے بھرپور ہے اور اس میں یہ امٹ قول درج ہے۔

"جیت صرف اسی کی ہوتی ہے جس کا آدرش سچا ہو۔ اور نیکی وہی کرتا ہے جو خود نیک ہو۔"

گرو نے اس رزمیہ نظم میں یہ بھی لکھا ہے۔

"اے شہنشاہ! مجھے تمہاری قسموں پر اعتبار نہیں۔

تم ایک راستے پر چلنے کی قسم کھاتے ہو مگر چل پڑتے ہو دوسرے راستے پر۔ میں نے آنند پور سے اپنی فوجوں کو ہرگز نہ ہٹایا ہوتا اگر میں نے تمہارے وعدے پر یقین نہ کیا ہوتا۔ میرے چالیس آدمی چمکور میں کیا کر سکتے تھے جب کہ تمہارے ایک لاکھ سے زیادہ سپاہی ان پر ٹوٹ پڑے تھے۔

جب انسان کے لیے کوئی اور چارہ نہ رہے تو اس کے لیے تلوار میان سے باہر نکال لینا بالکل جائز ہوتا ہے۔ جب تمہاری فوجیں میرے خلاف بڑھیں میں نے ان کو تیروں سے چھید دیا۔ تمہارے کچھ آدمی بھاگ کھڑے ہوئے۔ دوسروں کو دوسری دنیا میں بھیج دیا گیا۔ میں خدا کے فضل و کرم سے بچ رہا اور مجھے کوئی گزند نہ پہنچا۔ تمہاری ساری فوج بھی میرا بال بیکا نہ کر سکی۔

میں صاف صاف کہتا ہوں کہ تم نہ خدا میں یقین رکھتے ہو نہ اس کے رسول میں۔ تم اپنی قسم کے کبھی پابند نہیں ہو۔ تم جھوٹ بولتے ہو۔ تم خدا میں نہیں بلکہ دنیاوی دولت اور طاقت میں یقین رکھتے ہو۔ تم قرآن پر ہاتھ رکھ کر قسم کھانے کی قدر و قیمت نہیں جانتے ہو۔ اگر خدا کے رسول حضرت محمدؐ یہاں موجود ہوتے تو میں انھیں تمہاری ریاکاری سے آگاہ کرتا تمہارے ایلچی اور تمہارے قاضی نے تمہاری جانب سے میرے سامنے قسم کھائی مگر تم نے مجھے دھوکا دیا۔ اگر تم اب بھی اپنے اعمال پر پشیمان ہو اور مجھ سے ملنے کے لیے بیراڑ کے علاقہ میں آنے کے لیے تیار ہو جو میرے پیروں ہیں تو وہ تمہیں حفاظت کے ساتھ میرے پاس لا سکتے

ہیں کاش میں تم سے آمنے سامنے گفتگو کرسکتا!

میں تو قادرِ مطلق کا وفادار خادم ہوں۔ وہی میرا بادشاہ ہے۔ اگراس نے چاہا تو میں تمہارے پاس آؤں گا لیکن کیا خدا نے تم سے یہی کہا تھا کہ تم دوسروں پر ظلم ڈھاؤ۔ میں تمہاری شاہی حکومت پر، تمہاری عقیدتِ خدا پراور تمہارے مذہب پر لعنت بھیجتا ہوں۔ میری ایک بات سن لو۔ اپنی تلوار معصوموں کا خون کرنے کے لیے استعمال نہ کرو۔ اگر ایسا کرو گے تو عرش نشیں خدا تمہیں سزا دے گا۔ اس لیے خدا سے ڈرو جو ارض وسما کا مالک ہے۔ جس کا انتقام خوفناک ہوتا ہے جو کسی سے ڈرتا نہیں اور جو غریبوں کا محافظ ہوتا ہے۔

کیا ہوا اگر تم نے میرے چار بیٹوں کو قتل کر دیا۔ یاد رکھو کہ کنڈلی مار کر بیٹھا ہوا سانپ اب بھی پھنکار رہا ہے۔ چند چنگاریوں کو بجھا دینے سے تم آگ کو نہیں بجھا سکتے۔ تمہاری فوجوں نے وہ مال و زر لوٹ لیا جو میں نے یہ اعتبار کرتے ہوئے کہ ان کی قسم سچی ہوگی آنند پور صاحب سے باہر بھیج دیا تھا۔ جس طرح تم خدا کو بھول گئے ہو اسی طرح خدا تم کو بھول جائے گا اور تمہیں تمہارے برے اعمال کی سزا ملے گی۔ مجھے تو حیرت ہوتی ہے کہ تم خدا سے آگاہ بھی ہو یا نہیں۔ تمہارے پاس سلطنت ہے، دولت ہے، جاہ وحشم ہے۔ تم فیاض ہو۔ تم بہادر سپاہی بھی ہو لیکن تم مذہب سے کوسوں دور ہو۔!

میرا محافظ میرا خدا ہے۔ جس سے نہ کوئی بہتر ہے نہ بلند و برتر ہے۔ جو شخص ایمانداری سے کام کرتا ہے اس کی خدا حفاظت

کرتا ہے تاکہ وہ اس کی خدمت کر سکے۔ دشمن اس شخص کو ہاتھ نہیں
لگا سکتا۔ جس کا دوست اور محافظ خدائے بزرگ و برتر ہوتا ہے۔
زندگی چند لمحوں کی ہے۔ تغیّر و تبدّل زندگی کا قانون ہے۔ جو یہاں آتا
ہے وہ یہاں سے جاتا بھی ہے۔ چاہے کوئی کتنا ہی طاقتور کیوں نہ ہو
اُسے کمزور لوگوں کو ناراض کر کے اپنی جڑیں نہیں کھودنی چاہئیں۔"

گرو نے اپنا یہ غیر معمولی خط اپنے دو قابل اعتماد سکھوں دیا سنگھ اور دھرم سنگھ کے ہاتھوں شہنشاہ کو ارسال کیا۔ یہ خط ذاتی طور پر شہنشاہ کو دے دیا گیا جو اس وقت دکن میں احمد نگر میں تھے۔ شہنشاہ نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ گرو ان سے آکر مل سکتے ہیں، لیکن اس سے پہلے کہ دونوں کی ملاقات ہوتی یہ خبر موصول ہوئی کہ شہنشاہ وفات پا گئے ہیں۔[1]

---

[1] اورنگ زیب اپنے آخری ایام میں اپنے مظالم اور گناہوں کے بارے میں بہت حساس ہو گیا تھا۔ اس کا ثبوت اس کے ان خطوں میں ملتا ہے جو اس نے بستر مرگ سے اپنے بیٹوں کے نام لکھے۔ اس نے ان میں کہا: "مجھے معلوم نہیں ہے کہ میں کون ہوں اور کہاں جاؤں گا اور مجھ جیسے بھاری گنہگار کا کیا ہوگا؟ میری عمر رائیگاں گئی۔ خدا میرے دل میں رہا لیکن میری بے نور آنکھیں اس کی تجلّی کو پہچان نہ سکیں۔ میری عاقبت کے سنورنے کی کوئی امید نہیں۔ جب مجھے اپنے بارے میں کوئی امید نہیں، میں دوسروں کے بارے میں کیا امید کر سکتا ہوں۔ میں نے بے حد گناہ کیے ہیں اور مجھے معلوم نہیں کہ دوسری دنیا میں مجھے کیا عذاب جھیلنا ہوگا؟"

(تاریخ ہند۔ ونسینٹ اسمتھ۔ آکسفورڈ ۱۹۲۰۔ صفحہ ۴۴۸)

سکھ مورخین یہ رائے دیتے ہیں کہ اورنگ زیب میں یہ تبدیلی (بقیہ اگلے صفحہ پر)

اس درمیانی عرصے میں گرو نے مالوہ کا دورہ کیا۔ وسطی پنجاب (ماجھا) کے چند آسائش پسند سکھوں نے یہ سن کر کہ گرو آس پاس موجود ہیں، ان سے ملاقات کی اور ان سے کہا کہ وہ گرو نانک کا پُرامن راستہ اختیار کریں۔

انھوں نے یہ وعدہ بھی کیا کہ وہ گرو کی جانب سے شہنشاہ کے ساتھ بات چیت کریں گے تاکہ دونوں گھرانوں میں دشمنی ختم ہو جائے۔ لیکن گرو نے ان کی بات سننے سے انکار کر دیا اور کہا ”میں اپنے لیے نہیں بلکہ ایک آدرش کے لیے لڑ رہا ہوں۔ جو لوگ اس قسم کے ذلیل امن کی فضا میں سانس لینا چاہتے ہیں وہ ظلم وستم کے آگے جھک سکتے ہیں۔ جب تک میرے دم میں دم ہے میں ظلم سے سمجھوتہ نہیں کروں گا اور وہ لوگ بھی ایسا سمجھوتہ نہیں کریں گے جو میرے نقشِ قدم پر چلیں گے۔“ یہ لوگ مایوس ہو کر اپنے گھروں کو واپس چلے گئے لیکن جب وہ اپنے گھر پہنچے اور انھوں نے گرو کے عزم راسخ سے آگاہ کیا کہ وہ جنگ جاری رکھنا چاہتے ہیں، تو سینکڑوں سکھوں نے ایک عورت مائی بھاگو کی قیادت میں گرو کے دوش بدوش لڑنے کا فیصلہ کیا جس نے مردانہ لباس پہن کر ان کی قیادت کی اور ان کو مصائب اور ایثار کے راستے پر چلنے کے لیے کہا۔ ان سکھوں میں چند سکھ ایسے بھی تھے جو آنندپور میں گرو سے منحرف ہو گئے تھے اور میدانِ جنگ سے بھاگ آئے تھے۔

گرو کو اب یہ خبر ملی کہ شاہی فوجیں ان کا پیچھا کر رہی ہیں۔ سرہند کے صوبیدار

گرو گوبند سنگھ کا خط ملنے کے بعد آئی جس میں شہنشاہ اور اس کے صوبیداروں کے مظالم کی تفاصیل ایسی زبان میں پیش کی گئی تھیں جسے وہ سمجھتا تھا اور یہ تفاصیل ایک پرہیزگار اور پاکباز شخص نے پیش کی تھیں جس کے باعث اس کے دل و دماغ پر بہت اثر ہوا۔

وزیر خاں کی قیادت میں دس ہزار سپاہی ان کا تعاقب کر رہے تھے۔ لہٰذا گرد گوبند سنگھ ضلع فیروز پور میں کھدرانہ کی طرف چل پڑے۔ دریں اثنا ماجھا سے سکھوں کے ایک بہت بڑے دستے نے (لطیف جیسے چند مورخین نے کہا ہے کہ اس دستے میں ۱۲ ہزار فوجی تھے مگر سکھ مورخین کہتے ہیں کہ ان کی تعداد بہت کم تھی۔ وہ صرف چالیس تھے) یہ دیکھا کہ ایک بہت بڑا لشکر گرو کی طرف بڑھ رہا تھا جنہوں نے تھوڑے فاصلے پر ایک جنگل میں پناہ لے رکھی تھی۔ انھوں نے مغل فوج پر آندھی کی طرح حملہ کیا لیکن وہ سب کے سب کھیت رہے جن میں بہادر مائی بھاگو بھی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ انھوں نے اپنی سوتی چادریں درختوں اور جھاڑیوں پر پھیلا کر مغل فوج کی توجہ اپنی طرف مبذول کرائی۔ مغلوں نے سمجھا کہ وہ سکھوں کا ایک بہت بڑا پڑاؤ تھا لہٰذا انھوں نے دھاوا بول دیا۔ گھمسان کی جنگ کے بعد انھوں نے سب سکھوں کو ہلاک کر دیا۔ مغل فوجوں نے یہ سمجھا کہ جن لوگوں کو قتل کیا گیا ہے ان میں گرد گوبند سنگھ بھی ہوں گے۔ مغل فوجیں میدان سے ہٹ گئیں کیوں کہ سپاہیوں کے لیے پانی نہیں مل رہا تھا۔ جب گرد لڑائی کے میدان میں یہ دیکھنے کے لیے پہنچے کہ کون ان کی بروقت امداد کے لیے آیا تھا تو انھوں نے مہان سنگھ نامی ایک شخص کو وہاں دیکھا جو ابھی ہوش میں تھا۔ گرد نے اس کو اپنی گود میں لے لیا۔ اس کا چہرہ پونچھا اور اپنی آنکھوں میں خوشی کے آنسو بھر کر کہا " مانگو کیا مانگتے ہو تمہاری آرزو پوری ہوگی۔ تمہیں اس دنیا میں اور اگلی دنیا میں نجات مل چکی ہے۔" گرد کے بھگت کا گلا بھر آیا اور اس نے کراہتے ہوئے کہا " اگر آپ رحم ہی کرنا چاہتے ہیں تو مجھے اور میرے ساتھیوں کو معاف کر دیجئے جنہوں نے آنند پور میں آپ سے غداری کی تھی۔ اس کاغذ کو پھاڑ دیجیے جس پر ہم نے بڑی بے شرمی سے یہ لکھا تھا: ہم آپ کو گرد نہیں مانتے؛ ہم نے آپ سے جو غداری کی تھی اس کے داغ کو

اپنے خون سے دھونے کی کوشش کی ہے۔ آپ رحم کیجئے اور ہمیں اپنا لیجیے۔ ہمیں آشیرواد دیجیے تاکہ ہم امن وسکون سے مر سکیں۔"

گرو نے اسے آشیرواد دی اور مذہب سے انحراف سے متعلق ان کا اجتماعی خط پھاڑ دیا اور کہا: "اس پرماتما نے تمہیں بچا لیا ہے جس کے آدرش کے لیے تم نے اپنی جانیں نچھاور کی ہیں۔ پرماتما تم پر رحم کرے گا اور ان پر بھی رحم کرے گا جو تمہارے دکھائے ہوئے راستے پر چلیں گے۔"

مائی بھاگو میں ابھی جان باقی تھی۔ گرو نے میدان کارزار میں سے اسے اٹھا لیا اور علاج کے لیے اپنے ساتھ لے گئے۔ گرو نے تمام لاشیں جمع کرائیں اور مکمل اعزاز کے ساتھ ان کو چتا کی نذر کیا گیا۔

اب گرو تلونڈی سابو (سابق پٹیالہ ریاست میں) کی طرف چل پڑے جسے اب دمدمہ صاحب (گرو کے آرام کی جگہ) کہا جاتا ہے۔ یہاں وہ کافی عرصے تک رہے[1] اور اپنے بھگت ایک سکھ بھائی منی سنگھ کو آدی گرنتھ لکھواتے رہے۔ اس گرنتھ میں انھوں نے اپنے پتا کے اشعار اور روایت کے مطابق اپنی ایک نظم کا اضافہ کیا۔ کہا جاتا ہے کہ انھوں نے ایسا اس لیے کیا کہ گرنتھ کا اصل مسودہ ان کے چچیرے بھائی دھیر مل کے پاس تھا جس نے اسے دینے سے انکار کر دیا تھا اور سکھ یہ چاہتے تھے کہ گرو گوبند سنگھ آدی گرنتھ کے ایڈیشن کی توثیق کریں۔[2] گرو نے اپنی

---

[1] چند مورخین جیسے آئی۔ بنرجی اپنی کتاب "خالصہ کا ارتقاء" (حصہ دوم) میں یہ کہتے ہیں کہ گرو وہاں تین سال رہے۔

[2] اس ایڈیشن کو بعد میں گولڈن ٹمپل امرتسر میں رکھا گیا۔ یہ گرنتھ تباہ ہو گیا یا اٹھارہویں صدی کے وسط میں جب احمد شاہ ابدالی نے گردوارے کی بے حرمتی کی تو کوئی اس گرنتھ کو لے گیا۔

نظموں میں بھی اضافہ کیا۔ یہاں ان کی بیویاں سندری اور صاحب کور بھی آکر رہیں۔ جب انھوں نے پوچھا "چھوٹے بیٹے کہاں ہیں ؟" تو گرو نے اپنے مریدوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا" اِن ہزاروں بیٹوں کے لیے میں نے چار بیٹے قربان کر دیے۔ جب تک میرے یہ بیٹے زندہ ہیں تب تک میں سمجھوں گا کہ میرے چار بیٹوں کی زندگی رائیگاں نہیں گئی۔"

گرو نے اس سرزمین کو آشیرواد دی کہ اس علاقہ میں موٹے اناج اور جھاڑ جھنکار کے بجائے گندم اور پھل ہوں گے۔ اب وہاں گندم اور پھل ہوتے ہیں۔ گرو نے اپنے سرکنڈوں کے قلم چاروں طرف بکھیرتے ہوئے کہا" یہ ایک دن علم و دانش کا مقام ہوگا۔" اب اسے گرو کی کاشی کہا جاتا ہے۔ مورخ ٹرمپ کے بیان کے مطابق گرو نے دمدمہ میں اپنے قیام کے دوران ایک لاکھ بیس ہزار اشخاص کو امرت دیکر سکھ بنایا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آنندپور کی پرانی عظمت لوٹ آئی تھی اور سکھ یہاں دور و نزدیک سے آکر جمع ہوتے تھے۔ گرو نے اپنے بھگتوں کی التجاؤں کی پروا نہ کرتے ہوئے اپنے پانچ پیاروں کے ساتھ راجپوتانہ ہوتے ہوئے دکن جانے کا فیصلہ کیا۔ انھوں نے کہا" میرا امید افزا پیغام ملک کے اس کونے سے دوسرے کونے تک پھیلنا چاہیے۔ میں ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر نہیں بیٹھ سکتا جبکہ میری قوم آگ میں جل رہی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گرو اپنی فوجوں، راجپوتوں اور مراٹھوں کی فوجوں کو متحد کر کے جو الگ ہو کر کبھی کبھی مغلوں سے لڑتے تھے اور جن کا آپس میں اتفاق نہیں تھا، مغلوں سے فیصلہ کن جنگ لڑنا چاہتے تھے۔[1]

---

[1] ڈھاکہ میں رہنے والے اپنے پیرووں کے نام خط میں گرو گوبند سنگھ بنگال کو اپنا "روحانی وطن" کہتے ہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ گرو جو جدوجہد (بقیہ اگلے صفحہ پر)

نواں باب

"دُنیا موت سے ڈرتی ہے مگر میں اس سے خوش ہوں ،
کیوں کہ موت کے بعد ہی خدا ملتا ہے۔"

—— کبیر

ابھی گرو راستے ہی میں تھے کہ مارواڑ میں بھاگور کے مقام پر انھوں نے اورنگزیب کے وفات پا جانے کی خبر سنی[1] اس وقت اورنگ زیب کا بڑا بیٹا بہادر شاہ افغانستان میں جنگ لڑ رہا تھا۔ اس کی عدم موجودگی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اس کے چھوٹے بھائی محمدؐ اعظم نے تخت پر قبضہ کر لیا۔ بہادر شاہ تخت پر اپنے حق کو حاصل کرنے کے لیے تیزی سے واپس روانہ ہوا۔ اس نے اکثر گرو گوبند سنگھ کے

(بقیہ سابقہ) کر رہے تھے وہ تمام ملک کے لیے تھی صرف پنجاب کے لیے ہی نہیں تھی۔ یہ بات بھی بڑی دل چسپ ہے کہ گرو نانک سے لے کر گرو گوبند سنگھ تک کسی بھی گرو نے آدی گرنتھ میں پنجاب کا اتنا ذکر نہیں کیا تھا جتنا سارے ہندوستان کا کیا۔ انھوں نے ہمیشہ ہندوستان کا نام لیا۔ ہندوستان اس وقت ایک ایسا تصور تھا جو جغرافیائی اعتبار سے بہت سے لوگوں کے نزدیک قائم تھا۔

[1] ۲۰ فروری ۱۷۰۷ء

کارنامے سنے تھے۔ اور یہ بھی سنا تھا کہ گرو چونکہ ایک روحانی شخصیت تھے اس لیے ان کی دشمنی انسانوں سے نہیں تھی بلکہ مذہبی و سیاسی نظاموں سے تھی۔ لہٰذا اس نے کوشش کی اور گرو کے بھگت ایک سکھ بھائی نند لال کے ذریعہ سے جو شاعر بھی تھا اور میر منشی بھی رہ چکا تھا گرو سے یہ درخواست کی کہ وہ ماضی کو بھول جائیں۔ اسے آشیرواد دیں اور اس کی مدد کریں تاکہ وہ شاہی تخت و تاج پر قبضہ کر سکے۔ اس نے وعدہ کیا کہ اگر گرو کو اس کے گھرانے سے کوئی شکایت ہوگی تو وہ اس پر غور کرے گا اور اس کو دور کرنے کی کوشش کرے گا۔ [1]

---

[1] بہادر شاہ نے مدد کے لیے درخواست کیوں کی اور گرو نے کیوں مان لی۔ اس کا جواز ہمیں بہادر شاہ کے کردار میں ملتا ہے جس کا ذکر اس عہد کے مورخوں نے کیا ہے۔ اس کے والد سنّی فرقہ سے تعلق رکھتے تھے اور بہادر شاہ شیعہ تھا اور اپنے چچا داراشکوہ جیسا روشن خیال صوفی تھا اور داراشکوہ بھی گرو کے گھرانے کا دوست تھا اور ساتویں گرو ہری رائے نے جب کہ داراشکوہ سموگڑھ کی جنگ کے بعد فرار ہوگیا تھا نہ صرف اسے مادی امداد دی تھی بلکہ ایک خلعت بھی دیا تھا۔ اورنگ زیب اس بات پر اتنا برہم ہوا تھا کہ اس نے گرو کو جواب دہی کے لیے اپنے دربار میں طلب کیا تھا۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ دارا مشہور صوفی لاہور کے حضرت میاں میر کا بہت پرستار تھا اور جنہیں پانچویں گرو ارجن نے امرتسر کے مشہور گوردوارے گولڈن ٹمپل کا سنگِ بنیاد رکھنے کے لیے بلایا تھا۔ صوفیوں اور شیعوں کے ساتھ ان کو بھی اورنگ زیب ہراساں کیا کرتا تھا جن سے سکھوں کے تعلقات بہت خوشگوار تھے اور اکبر اعظم کے زمانے میں بھی یہ تعلقات بڑے اچھے تھے۔

محمد لطیف کے کہنے کے مطابق (تاریخِ پنجاب۔ کلکتہ ۱۸۹۰) (باقی اگلے صفحہ پر)

گرد کو اگرچہ یہ بھروسا نہیں تھا کہ بہادر شاہ فتح کے بعد اپنے وعدے پر قائم رہے گا لیکن انھوں نے یہ سن رکھا تھا کہ وہ متعصب نہیں رواداری تھا اور اپنے باپ کی طرح کٹّر اور تنگ نظر نہیں تھا۔ اس لیے انھوں نے ایک بار بہادر شاہ کی پیشکش کو بھی آزمانے کا فیصلہ کیا۔ انھوں اپنے ایک قابل اعتماد چیلے دھرم سنگھ کی قیادت میں دو یا تین سو گھوڑ سواروں کا ایک دستہ بھیجا کہ وہ اس بحران کے زمانے میں بہادر شاہ کی ہر طرح سے امداد کریں۔ جون ۱۷۰۷ء کے اوائل میں تین رد تک دھولپور کے نزدیک خونریز جنگ ہوئی جس میں محمد اعظم اپنے چند سرکردہ افسروں سمیت مارا

(بقیہ سابقہ) صفحات ۱۸۱ - ۱۸۲) " بہادر شاہ ایک فراخ دل، فیّاض اور خوش اطوار شہزادہ تھا۔ اس کی رواداری اور دلکشی اس کے پیش رو اورنگ زیب کے تعصب اور ریاکاری سے بالکل الگ اور نمایاں تھی۔ اس نے ایک مختلف مدرسۂ فکر و خیال میں تربیت پائی تھی۔ بہادر شاہ کو بیجاپور اور گولکنڈہ کے سلطانوں کو دبانے کے لیے بھیجا گیا تھا لیکن ان کے ساتھ نرمی دکھانے اور ان کے ساتھ دوستی کرنے کے الزام میں اورنگ زیب نے بہادر شاہ کو سات سال تک قید میں رکھا تھا۔ وہ نرم دل تھا اور اس حد تک خوش خلق تھا کہ لوگ اسے صوفی بادشاہ کہا کرتے تھے۔"

لطیف آگے چل کر لکھتا ہے "بہادر شاہ کے مورخین کی رائے کے مطابق بہادر شاہ کے زیورات اور کپڑوں کے تحفے واقعی شاہی تحفے ہوتے تھے لیکن اس کا لباس ایک فقیر کی طرح سادہ ہوتا تھا۔ لاہور میں اس نے شیعہ اعتقاد کے مطابق خطبہ رائج کرنے کی کوشش کی لیکن سُنّیوں نے مخالفت کی تو اس نے یہ ارادہ ترک کر دیا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ روشن خیال تھا۔ وہ علماء کی صحبت کا شیدائی تھا۔ اُسے قانون، اور دینیات پر بحث مباحثہ میں بہت لطف آتا تھا۔ وہ پنجاب میں بہت مشہور تھا اور لاہور کے شاہ عالمی دروازے کا نام اسکے نام پر رکھا گیا تھا۔

گیا۔ اس کی فوج تتر بتر ہو گئی اور بہادر شاہ نے اعلان کیا کہ وہ شہنشاہِ ہند ہے۔ گرو کے سکھ دستے نے جو مدد کی تھی اس کا وہ بہت ممنون تھا اور اس نے اس دستے کے قائد دھرم سنگھ کو بھیجا کہ وہ اس کی جانب سے گرو کا شکریہ ادا کرے۔ اس نے گرو سے یہ درخواست بھی کی کہ گرو اس سے آ کر ملیں۔ اس نے یہ بھی کہا کہ وہ خود گرو سے ملنے آتا لیکن اس کے اس اقدام سے اس کے متعصب پیرووں کے دل میں غلط فہمی کے پیدا ہونے کا ڈر ہے۔

جب گرو کو یہ دعوت نامہ ملا تو سکھوں نے گرو کو یہ مشورہ دیا کہ وہ اس دعوت کو ٹھکرا دیں۔ ان کا خیال تھا کہ اس دعوت میں کوئی دھوکہ ہوگا۔ گرو کی بیویوں نے بھی اسی قسم کے خیالات کا اظہار کیا۔ لیکن گرو نے کہا "زندگی اور موت ہمیشہ خدا کے ہاتھ میں رہی ہے۔ لہٰذا ہم خطرے کو ٹالنے میں زیادہ احتیاط سے کام نہیں لے سکتے"۔ انھوں نے بہادر شاہ کا دعوت نامہ قبول کر لیا۔ وہ اپنی ایک بیوی صاحب کور کو اپنے ساتھ لے کر اور دوسری بیوی سنداری کو دلّی میں چھوڑ کر (ان کی تیسری بیوی بہت پہلے مر گئی تھی) آگرہ روانہ ہوئے جہاں شہنشاہ پڑاؤ ڈالے ہوا تھا۔ راستے میں انھوں نے متھرا اور درندابن میں قیام کیا اور وہاں لوگوں سے بحث مباحثہ کیا۔

وہ ۲ر اگست ۱۷۰۷ء کو آگرہ پہنچے۔ شہنشاہ نے بڑے اعزازات کے ساتھ ان کا خیر مقدم کیا۔ ان کو ہیروں سے جڑا ایک شال اور خلعت عطا کیا اور گرو نے ان کی جو اخلاقی امداد کی تھی اس کے لیے ان کا بہت شکریہ ادا کیا اور گرو سے درخواست کی کہ وہ کچھ عرصہ اس کے ساتھ گزاریں۔ گرو نے فرطِ مسرت سے اس کی یہ دعوت قبول کر لی[1] انھوں نے سوچا کہ شہنشاہ کو مغل حکومت کے علمبرداروں

---

[1] "تاریخ بہادر شاہی" میں اس واقعہ کا حوالہ دیتے ہوئے (بقیہ اگلے صفحہ پر)

کی طرف سے ان کے پیروؤں پر کیے گیے مظالم اور خاص طور پر سرہند کے نواب کی جانب سے کیے گئے مظالم بتانے کا موقع ملے گا جس نے حکم دے کر ان کے نوعمر بیٹوں کو زندہ ہی دیوار میں چنوا دیا تھا اور لوگوں پر ناقابلِ بیان ظلم ڈھائے تھے۔

شہنشاہ کے ساتھ گرو کی یہ قربت اس کے بہت سے درباریوں کے دل میں کانٹے کی طرح کھٹکنے لگی اور ان میں سے چند درباریوں نے گرو کو ستانے اور تنگ کرنے کا فیصلہ کیا۔ ایک دن جب کہ گرو بہت سے درباریوں کی موجودگی میں شہنشاہ سے گفتگو کر رہے تھے، ان میں سے ایک نے جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ سرہند کا ایک عالم سیّد تھا، یوں درخواست کی۔

"گرو صاحب! ہم نے نانک کے عظیم گھرانے کے بارے میں بہت کچھ سنا ہے۔ آپ اپنے دھرم کے بانی کے دسویں جانشین

(بقیہ سابقہ) یہ لکھا ہے کہ جب شہنشاہ کی فوج برہان پور کی طرف بڑھ رہی تھی تو نانک کے جانشینوں میں سے ایک گرو گوبند بھی ان اضلاع میں سفر کر رہے تھے اور شاہی قافلے کے ساتھ تھے۔ ان کو یہ عادت تھی کہ وہ درویشوں، مذہبی لوگوں اور ہر قسم کے لوگوں کی مجالس میں تقریریں کرتے تھے۔ (جیسا کہ کتاب "ہندوستانی مورخین کی لکھی ہوئی تاریخ ہند" میں کہا گیا ہے۔ جلد نمبر ۷ صفحہ ۵۶۶) اورنگ زیب کے ہم عصر خفی خان نے جو گرو کے گھرانے کا دوست نہیں تھا اپنی کتاب "منتخب اللباب" میں اس بات کی تائید کی ہے کہ گرو گوبند سنگھ ۲۰۰ گھوڑسواروں کے ہمراہ کچھ عرصے کے لیے شہنشاہ کے رفیق سفر بن گیے تھے جب کہ شہنشاہ دکن کی طرف جا رہا تھا۔

ہیں۔ ہم تو صرف اسے ہی خدا رسیدہ بزرگ مانتے ہیں جو معجزے
دکھا سکے۔ ہم بہت مطمئن ہوں گے اگر آپ اس سلسلے ہمارے
شکوک رفع کر دیں گے۔"

گرو صاف طور پر بھانپ گئے کہ بظاہر اس معصوم درخواست کے پیچھے کیا چال چھپی ہوئی تھی۔ لیکن انھوں نے سوال کرنے والے کو ٹالنے کی غرض سے کہا۔

"شہنشاہ بذاتِ خود ایک معجز نما ہیں۔ وہ پست کو بلند کر سکتے ہیں
اور بلند و قوی کو نیست و نابود کر سکتے ہیں۔"

سوال کرنے والا اپنی ضد پر قائم رہا۔ اس نے کہا۔

"حضور! آپ بجا فرماتے ہیں لیکن میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ کیا
آپ بھی کوئی معجزہ دکھا سکتے ہیں ؟"

اس پر گرو نے ایک طلائی مہر لی اور کہا: "دیکھیے! یہ بھی ایک معجزہ ہے۔ یہ دنیا کی ہر چیز خرید سکتی ہے۔ ہر شخص کو خرید سکتی ہے چاہے اُس کی قیمت کچھ ہی کیوں نہ ہو ــــ کہیے! کیا سچ نہیں ہے ؟"

سوال کرنے والے نے کہا: "ہاں ہاں سرکار! ہم یہ جان کر خوش ہوں گے کہ آپ کیا معجزہ دکھا سکتے ہیں ؟ اس طرح ہمارے شکوک دور ہو جائیں گے۔"

گرو نے یہ سن کر تلوار نکال لی اور گرجے: "میں یہ معجزہ دکھا سکتا ہوں کہ اگر کوئی مجھے للکارنے کی جرأت کرے تو میں اس کا سر اس کے تن سے جدا کر سکتا ہوں۔ یہ تلوار ہی انسانوں اور اقوام کے مقدّروں کی آخری منصف ہے۔"

سوال کرنے والا خاموش ہو گیا۔ شہنشاہ نے جو گہری دلچسپی کے ساتھ سوالات اور جوابات سن رہے تھے سوال کرنے والے کی ہٹ دھرمی پر اس کو سرزنش کی اور گرو سے مخاطب ہو کر کہا "حضور! آپ میرے درباری کی گستاخی

کو در گزر کر دیجئے ۔"

یہ خبر جب پھیلی تو شہنشاہِ ہند کی موجودگی میں گرو کی بے خوفی پر ہر ایک حیران و ششدر رہ گیا کیونکہ شہنشاہ کے حضور میں تلوار میان سے کھینچ لینا تو درکنار کوئی مسلح ہو کر نہیں آسکتا تھا۔[1]

ایک دن شہنشاہ نے گرو سے کہا "ہمارے مذہب سے کوئی مذہب بہتر نہیں ہے۔ جو لوگ جہنم کی آگ سے بچنا چاہتے ہیں وہ ہمارا مذہب کیوں نہیں قبول کر لیتے ؟"

گرو نے جواب دیا " اے شہنشاہ ! مہر نہیں بلکہ سکّے کے اندر جو کچھ ہوتا ہے وہی سکّے کو قیمتی بناتا ہے ——— جہاں پرور ! ایک کھوٹے سکے پر اگر آپ کی مہر بھی لگا دی جائے تو منڈی میں اس سکے کے عوض کوئی مال نہیں دے گا۔ مذہب کے معاملے میں بھی یہ بات صادق آتی ہے۔ خدا دل دیکھتا ہے اور دل پر لگی ہوئی چھاپ نہیں دیکھتا ۔ اور خدا ہی فیصلہ کرتا ہے کہ کسے جہنّم میں اور کسے جنّت میں جانا ہے۔ میں دو یا تین نہیں بلکہ ایک ہی خدا پر یقین رکھتا ہوں ——— اور میرے نزدیک اس شخص کے سوا جو خدا کے وجود سے منکر ہے کوئی بھی کافر نہیں۔"

ایک دن گرو نے شہنشاہ کو اپنی ایک خواہش سے آگاہ کیا جس کی وہ اپنے دل میں کچھ عرصے سے پرورش کر رہے تھے ۔ اور وہ خواہش یہ تھی کہ وہ سرہند کے صوبے دار وزیر خاں کو ان کے حوالے کر دیں تاکہ وہ اپنی مرضی کے مطابق

---

[1] محمد لطیف نے اپنی کتاب " تاریخ پنجاب " (کلکتہ ۱۸۹۱۔ صفحہ ۲۷۳) میں اس بات کی تصدیق کی ہے کہ گرو کو مسلح ہو کر اور ان کے ہمراہ ان کے پانچ پیاروں کو مسلح ہو کر دربار میں آنے کی اجازت تھی۔

اس سے سلوک کر سکیں۔

شہنشاہ گرو کے اس مطالبہ پر دم بخود رہ گیا لیکن اس نے فوراً ہی انکار نہ کیا۔ اس نے کہا کہ وہ اپنے وزراء سے صلاح مشورہ کرے گا اور اس کا جواب بعد میں دے گا اور شہنشاہ نے اپنے ان شکوک کا اظہار کیا کہ اگر انتقام کے لیے اس نے سرہند کے صوبے دار کو گرو کے حوالے کر دیا تو اس کی فوج بغاوت کر دے گی۔ لہٰذا شہنشاہ نے گرو سے کہا کہ وہ ایک سال تک انتظار کریں تاکہ اس کی حکومت کی جڑیں مضبوط ہو جائیں اور اس کے بعد شہنشاہ نے گرو کو اپنے ساتھ جے پور اور دیگر جگہوں پر چلنے کی دعوت دی۔ گرو اگرچہ شہنشاہ کی ہچکچاہٹ پر ناراض ہو گئے تھے لیکن وہ شہنشاہ سے فوراً ہی تعلقات نہیں توڑنا چاہتے تھے اس لیے انھوں نے بادشاہ کے سفر کے دوران اس کا ساتھ دینے کی بات مان لی جو نومبر ۱۷۰۷ میں شروع ہوا۔ یہ دیکھنے کے لیے کہ اگر موقع ملا تو وہ اپنا مطالبہ پورا کرا لیں گے۔ اور یہ مطالبہ جائز بھی تھا اور قرآن مجید کے ضابطہ کے مطابق تھا۔ خون کا بدلہ خون ــــ!

آگرے میں رہتے ہوئے گرو نے اس موقع کا کچھ دیر تک انتظار کیا اور صبح و شام وہ مجالس میں تقریریں کرتے رہے۔ دریں اثنا شہنشاہ جے پور کی طرف چل پڑا۔ بعد میں گرو بھی اپنے پیروؤں کے ساتھ اس کے پیچھے ہو لیے اور شہنشاہ سے جا ملے۔ انھوں نے شہنشاہ کے ہمراہ جودھ پور اور چتوڑ کا دورہ کیا۔ ان شہروں کے راجپوت راجاؤں نے گرو کو خراجِ عقیدت پیش کیا۔ انھوں نے دکن کی جانب شہنشاہ کے ہمراہ اپنا سفر جاری رکھا اور وہ برہان پور پہنچ گئے جہاں ان کے بھگت سکھ نے ان کے لیے مکان تعمیر کرایا تھا۔ گرو اس کے گھر گئے اور کچھ دیر تک اس مکان میں رہے۔ اس دوران میں بادشاہ روانہ

ہو چکا تھا اور بعد میں اس نے گرو کو خط لکھا کہ وہ اس سے آملیں۔ گرو نے اس کی درخواست قبول کر لی اور دونوں دکن کی جانب روانہ ہوئے۔ گرو کے پاس کچھ پیدل فوج تھی اور دو تین سو گھوڑ سوار تھے جو تلواروں سے مسلح تھے۔[1] لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گرو صاحب شہنشاہ سے راستے میں الگ ہو گئے اور اکیلے ہی دکن کی طرف چل پڑے۔

گرو ناندیڑ پہنچے تو وہ ایک بیراگی مادھو داس کے گھر گئے۔ گرو کو یہ خبر ملی تھی کہ بیراگی معجزے دکھا سکتا ہے اور جادو میں اتنی مہارت رکھتا ہے کہ وہ اپنی چارپائی پر بیٹھنے والے کو اٹھا کر پٹک سکتا ہے۔ گرو اس کے جھونپڑے میں گئے اور اس کی عدم موجودگی میں اس کی چارپائی پر لیٹ گئے۔ مادھو داس آیا اور اس نے یہ دیکھا کہ ایک اجنبی اس کی چارپائی پر لیٹا ہوا تھا اور اسے کوئی گزند نہیں پہنچا تھا۔ اسے اپنی آنکھوں پر اعتبار نہ آیا۔ مادھو داس کے چیلوں نے اسے پہلے یہ بھی بتا دیا تھا کہ گرو نے اس کا ایک بکرا حلال کر دیا تھا اور گوشت پکا کر کھا گئے تھے۔ بیراگی اس حرکت اور گستاخی کو برداشت نہ کر سکا اور اس نے گرو سے جواب طلب کیا۔ گرو نے جواب دیا کہ وہ بہت تھکے ہوئے تھے اور وہ چونکہ ایک مشہور مہمان نواز کے جھونپڑے تک پہنچ گئے تھے اس لیے وہ پلنگ پر لیٹ گئے اور جو کچھ دستیاب ہوا کھا گئے۔ گرو نے اسے یہ بھی بتایا کہ وہ اسے گوشہ نشینی کی زندگی سے نجات دلانے کے لیے آئے تھے۔ جب مادھو داس نے گرو کی آنکھوں

---

[1] دولت رام کی کتاب "گرو گوبند سنگھ کی سوانح عمری" کے مطابق یہاں گرو شہنشاہ سے اس لیے الگ ہو گئے کہ شہنشاہ یہ چاہتا تھا کہ گرو مرہٹوں کے خلاف اس کی مدد کریں۔ گرو نے انکار کر دیا اور اس سے الگ ہو گئے۔

میں آنکھیں ڈال کر دیکھا اور ان کے بدن پر نظر دوڑائی تو اسے گرو کے دل کش اور بے خوف طور و اطوار میں دلکشی دکھائی دی۔ اس نے پوچھا کہ وہ کون ہیں؟ اسے بتایا گیا کہ وہ گرو گوبند سنگھ ہیں۔ یہ سن کر وہ گرو کے قدموں پر گر پڑا اور بولا۔

"اے مالک ــــ! میں تو آپ کا بندہ ہوں۔ آپ نے میرے یہاں آکر مجھے شرف بخشا ہے اور مجھے نجات دلائی ہے۔ آپ حکم دیجیے، میں اسے بجالاؤں گا۔ آپ تو ہماری نسل کے محافظ ہیں۔"

گرو اس خراجِ عقیدت سے بہت متاثر ہوئے۔ جب گرو نے مادھو داس سے اس کا اتا پتا پوچھا تو اس نے سارا قصہ بیان کر دیا۔ وہ راجوری (کشمیر) کے نزدیک پونچھ میں ۱۶۷۰ء میں پیدا ہوا تھا۔ وہ کچھ عرصے تک کھیتی باڑی کرتا رہا۔ بندوق چلانا سیکھتا رہا اور شکار کھیلنے کے لیے جاتا رہا۔ ایک دن اس نے ایک ہرنی کو مار ڈالا اور اسے یہ جان کر بہت دکھ ہوا کہ ہرنی کے پیٹ میں دو بچے تھے۔ اس نے دنیا تیاگ دی اور ایک گوشہ نشین سادھو بن گیا اور ناندیڑ کے نزدیک آکر آباد ہو گیا اور پرہیز گاری کی زندگی بسر کرنے لگا۔ اس نے یوگ اور جادو سیکھ لیا۔ گرو کو اس کی حساس طبیعت بہت پسند آئی لیکن اسے یہ بات یاد دلائی کہ جب انسانوں پر ظلم حد سے بڑھ جاتا ہے تو حساس آدمیوں کا یہ فرض ہو جاتا ہے کہ وہ ظلم و ستم کے خلاف لڑیں اور اس جدوجہد میں اپنی جان نچھاور کر دیں۔ مادھو داس نے جو اپنے آپ کو گرو کا بندہ کہنے لگا تھا، یہ پیشکش کی کہ وہ گرو کے ہر حکم کی تعمیل کرے گا۔ گرو نے اسے امرت دیا اور اس کا نام گوربخش سنگھ رکھا (مگر وہ بندہ سنگھ بہادر کے نام سے ہی مشہور رہا)۔ گرو نے اسے ایک تلوار اور اپنے ترکش میں سے پانچ تیر دیے اور اسے ہدایت کی کہ وہ ہمیشہ کے لیے پاکباز رہے۔ جنگ سے ہرگز منہ نہ موڑے۔ فتح پانے پر منکسر المزاج رہے۔

اپنا کوئی فرقہ قائم نہ کرے۔ اس مقصدِ عظیم میں اپنے ساتھیوں کو اپنا رفیق اور اپنے برابر سمجھے جیسا کہ خالصہ کے اصول تقاضا کرتے تھے۔ وہ اپنے آپ کو اپنے ساتھیوں سے برتر نہ سمجھے۔ ہر وقت ان سے صلاح مشورہ کرے۔

گرو نے اسے آشیرواد دی کہ جب تک وہ گرو کے آدرش پر عمل کرے گا یعنی گرو کے آدرش میں مضمر جذبات کو مدنظر رکھے گا۔ بروں کو سزا دے گا اور صدق دلی سے خدا کو ذہن و دل میں رکھتے ہوئے غریبوں اور ناداروں کا رتبہ بلند کرے گا تو ہر وقت گرو کا ہاتھ اس کی پشت پر ہوگا۔ بندے نے گرو کے قدموں میں سر جھکا دیا اور وعدہ کیا کہ جو ہدایت اسے دی گئی ہے وہ اس پر عمل کرے گا اور گرو نے جو راستہ اسے دکھایا ہے اس سے کبھی انحراف نہیں کرے گا۔

اس کے بعد گرو نے اسے مفصّل ہدایات دیں کہ وہ تین دیگر سکھوں، بنود سنگھ، کاہن سنگھ اور باز سنگھ کے ہمراہ پنجاب جائے[1] اور بوڑیا (انبالہ میں) کے نزدیک کمک پہنچنے کا انتظار کرے جو گرو اس کے پاس بھیجیں گے۔ اس کے بعد وہ نزدیکی مقام سہ ہوڑا پر حملہ کرے جہاں گرو کے مسلمان مرید بدھو شاہ اور اس کے چیلوں کو اس لیے ان کے ہم مذہبوں نے موت کی سزا دی تھی کہ اس نے بھنگانی کی جنگ میں گرو گوبند سنگھ کی مدد کی تھی۔ اس کے بعد وہ سرہند پہنچے اور شہر کا محاصرہ کرے۔ صوبیدار وزیر خاں کو پکڑ لے اور اپنے ہاتھوں سے اسے مار ڈالے۔ گرو نے شہنشاہ سے وزیر خاں کا سر مانگا تھا لیکن بادشاہ کی ٹال مٹول پر وہ بہت مایوس ہوئے تھے۔ اس کے بعد وہ پنجاب سے ملحقہ پہاڑی ریاستوں کے سرداروں سے دو دو ہاتھ کرے جو گرو کے گھرانے سے بلا سبب عناد رکھتے تھے

---

[1] ڈاکٹر گوکل چند نارنگ کہتے ہیں کہ بندے کے ہمراہ ۲۵ سکھ تھے۔

اور جنہوں نے مغل شہنشاہ سے مل کر اس وقت گرو پر حملہ کیا تھا اور انہیں ہراساں کیا تھا جب کہ پہاڑی راجوں سے انھوں نے درخواست کی تھی کہ مشترکہ دشمن کو شکست دینے کے لیے انہیں ان کی مدد کی ضرورت تھی اور وہ ان کو مدد دیں لہ

جلد ہی بندہ سکھوں کے نام گرو کا یہ خط لے کر ناندیڑ سے روانہ ہوا کہ وہ اس کے جھنڈے تلے جمع ہو جائیں۔ گرو کچھ عرصے کے لیے ناندیڑ میں رہے۔ وہ گوداوری دریا پر ایک گوشے میں ریاضت کرتے۔ یہاں بھی لوگ دور ونزدیک سے اُن کے دیدار کے لیے آتے اور تحائف لاتے۔ ایک دفعہ ایک سکھ نے ان کو ہیرے جڑی قیمتی انگوٹھی دی۔ گرو صاحب خیالات میں کھوئے ہوئے دریا کے کنارے پر بیٹھے تھے۔ انھوں نے انگوٹھی دریا میں پھینک دی۔ وہ سکھ بہت مایوس ہوا۔ اس نے گرو سے التجا کی کہ وہ اسے بتا دیں کہ انھوں نے انگوٹھی دریا میں کس جگہ پھینکی تھی تاکہ وہ غوطہ لگا کر انگوٹھی ڈھونڈ نکالے اس لیے کہ وہ ایک قیمتی انگوٹھی تھی۔ گرو مسکرائے اور دوسری انگوٹھی (جو شہنشاہ نے بطور تحفہ انہیں دی تھی) دریا میں پھینکتے ہوئے بولے "میں نے تمہاری انگوٹھی وہاں پھینکی تھی" سارا مجمع حیران دششدر رہ گیا کہ گرو صاحب کو دنیاوی زر و مال سے کوئی لگاؤ نہیں تھا۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کچھ عرصے بعد گرو نے اپنی بیوی صاحب کور کو جو ان کے ہمراہ آئی تھی اپنی دوسری بیوی سندری کے پاس بھیج دیا۔ وہ گرو سے جدا ہونے کے لیے تیار نہیں تھی چونکہ اس نے یہ حلف لے رکھا تھا کہ وہ ہر روز گرو کو

لہ یہ حقیقت، اور وہ خط جو گرو نے دھول میں اپنی سنگت کو لکھا اور جس پر ۲ اکتوبر ۱۷۰۷ء کی تاریخ ہے یہ انکشاف کرتے ہیں کہ گرو صاحب ظلم وتشدد کے خلاف جنگ جاری رکھنا اور پنجاب واپس جانا چاہتے تھے۔

دیکھے بغیر کھانا نہیں کھائے گی۔ گرو نے اسے سمجھایا اور آشیرواد دے کر اسے چھ مختلف ہتھیار دیے کہ وہ جب گرو کو دیکھنا چاہے ان ہتھیاروں کو دیکھ لیا کرے۔ بھائی منی سنگھ جو عظیم دیندار اور گرو کے مرید تھے ان کی بیوی کے ہمراہ بھیجے گئے

جلد ہی ایک رات کو جب گرو اپنے خیمہ میں آرام کرنے کے لیے پلنگ پر لیٹنا چاہتے تھے ایک پٹھان گل خان ان کے خیمے میں داخل ہوا۔ وہ پٹھان پہلے بھی کئی دن سے گرو کے پاس آرہا تھا اور یہ دعویٰ کررہا تھا کہ وہ ان کا بھگت ہے اب وہ آیا تو اس بات کو خلاف توقع نہ سمجھا گیا اور کسی نے اسے روکا نہیں۔ گرو نے اسے پرساد دیا۔ وہ اسے فوراً نگل گیا۔ اور جس وقت گرو نے اسے رخصت کیا اور پلنگ پر لیٹنے لگے تو پٹھان نے خنجر دوبار ان کے عالی مرتبت جسم میں گھونپ دیا۔ گرو صاحب پلنگ پر سے کود پڑے۔ انھوں نے اپنی تلوار نکال لی اور بھاگتے ہوئے قاتل کا سر تن سے جدا کر دیا۔ [1]

اب یہ ثابت ہو چکا ہے کہ قاتل سرہند کے صوبیدار کا بھاڑے کا ٹٹو تھا۔

---

[1] 'گرسوبھا' میں کہا گیا ہے کہ قاتل دو تھے۔ دوسرے قاتل کو سکھوں نے پکڑ کر ہلاک کر دیا تھا۔ چند سکھ مورخین یہ کہتے ہیں کہ شہنشاہ نے جو اس وقت نانڈیڑ کے نزدیک پڑاؤ ڈالے پڑا تھا یہ خبر سنی تو بہت رنجیدہ ہوا اور کہا جاتا ہے کہ اس نے اپنے نجی ڈاکٹر جن میں ایک انگریز ڈاکٹر تھا گرو کے زخم کے علاج کے لیے بھیجے۔ بعد میں جب انھوں نے گرو کے وفات کی خبر سنی تو شہنشاہ نے گرو کے لیے ایک خلعت بھیجی اور یہ حکم دیا کہ گروجی کیوں کہ درویش تھے ان کی وافر منقولہ جائیداد سرکار کی تحویل میں نہ دی جائے بلکہ ان کے جانشین کو دی جائے۔

سرہند کے صوبیدار نے اس ڈر سے کہ گرو اس کے ہولناک افعال کا بدلہ لیں گے اس کرایہ کے قاتل کو موقع ملتے ہی گرو کو شہید کرنے کے لیے بھیجا تھا۔ فوراً ہی زخم کی مرہم پٹی کی گئی اور ٹانکے لگائے گئے۔ چوتھے دن گرو اپنے دربار میں پہنچے۔ اور جب کہ یہ خیال کیا جارہا تھا کہ وہ شفایاب ہو رہے تھے۔ لیکن اس رات کو جب انھوں نے انگڑائی لی تو زخم دوبار کھل گیا۔ گرو درد کے مارے اٹھ کر بیٹھ گئے اور سوچنے لگے کہ ان کا سفرِ حیات ختم ہونے والا ہے۔ انھوں نے اپنے نزدیکی پیرووں کو پکارا۔ وہ پہنچے تو انھوں نے دیکھا کہ گرو مراقبے میں تھے۔ سکھ فوراً ہی بھانپ گئے کہ کوئی ہولناک بات ظہور میں آنے والی ہے۔ ان کا چہرہ حسبِ معمول پرسکون تھا اور ان کے سراپا سے یہ آثار ظاہر نہیں ہو رہے تھے کہ وہ جاں بہ لب ہیں۔ ایسا دکھائی دے رہا تھا کہ وہ بڑے آرام سے ہیں۔ ان کی آنکھیں بند تھیں۔ غروب آفتاب کے وقت کنول کی پتیوں کی طرح مراقبہ ختم ہوا تو چند سکھوں کا گلا بھر آیا اور وہ مستقبل میں ظہور میں آنے والے اندوہناک واقعے پر اپنی گہری تشویش کا اظہار کیے بغیر نہ رہ سکے۔ گرو صاحب پہلے کی طرح دل جمعی کے ساتھ دھیمے لہجے میں بولے۔

"انسان موت سے بہت ڈرتے ہیں اور میں ہمیشہ موت کے قریب رہا ہوں۔ موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اسے دیکھتا رہا ہوں۔ جو لوگ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ میرے نقشِ قدم پر چل رہے ہیں، انھیں بھی ایسا ہی کرنا چاہیئے۔ میں موت کے پاس اس طرح جاؤں گا جس طرح دولہا دولہن کے گھر جاتا ہے۔ میرے لیے رنج نہ کرو۔ کیونکہ جہاں کہیں بھی خدا کے خادم پانچ پیارے ہوں گے وہاں میں بھی موجود رہوں گا۔"

ان سے پوچھا گیا کہ ان کے بعد نانک کی روحانی گدی پر کون بیٹھے گا؟ انھوں

نے جواب دیا " وہ شبد جو گرنتھ صاحب میں ملتا ہے۔ جو مجھے یہاں ڈھونڈتا ہے مجھے پالیتا ہے۔ آج سے گرنتھ صاحب ہی کو گروؤں کی تجسیم سمجھا جائے۔ میں روئے زمین پر خدا کی سلطنت قائم کرنے آیا تھا۔ اب میں آپ کو خدا کے حوالے کیے جا رہا ہوں۔ خدا ہمیشہ آپ کی رہنمائی کرے گا۔ جب تک آپ اس کے راستے پر چلیں گے وہ آپ کا محافظ رہے گا اور آپ کو پناہ دے گا۔"

گرو نے چپ چاپ اور بڑے آرام سے نقل و حرکت کرتے ہوئے صاف ستھرے اور خوش رنگ کپڑے پہنے۔ پھر انھوں نے کھڑے ہو کر ارداس کی۔ پھر انھوں نے گرنتھ صاحب کے گرد چار چکر لگائے۔ انھوں نے گرنتھ صاحب پر پانچ پیسے اور ناریل چڑھایا۔ نئے گرو کی جانشینی پر یہی رسم ادا کی جاتی تھی۔ انہوں نے گرو گرنتھ صاحب کے سامنے سر جھکایا۔ اور اس طرح انہوں نے حسب معمول پٹکا باندھا جیسے وہ جنگ کے میدان میں اتر رہے ہوں۔ انہوں نے ایک کمان اپنے کندھے پر ڈال لی اور دائیں ہاتھ میں بندوق پکڑ کر انہوں نے آخری جیکارا لگایا " واہگورو جی کا خالصہ۔ سری واہگورو جی کی فتح "

گرو نے اب حکم دیا کہ ان کا گھوڑا لایا جائے۔ انہوں نے گھوڑے کی پیٹھ پر بڑی نرمی سے تھپکی دی اور وہ اپنے سفرِ آخرت کے لیے اس پر سوار ہو گئے۔ وہ فصیل دار خیمہ کی طرف بڑھے۔ انہوں نے حکم دیا تھا کہ وہاں ان کی چتا تیار کی جائے۔ انہوں نے اپنے سکھوں سے کہا کہ وہ ان کی چتا تک ان کے پیچھے نہ آئیں۔ بھائی سنتوکھ سنگھ کے سوا باقی سب سکھوں کو واپس بھیج دیا گیا۔ یہاں وہ گھوڑے پر سے اتر گئے۔ گھوڑا خاموش کھڑا تھا اور اس کی آنکھوں میں آنسو تھے اور خیمے کے باہر اس کی لگامیں ایک غم زدہ مرید کے ہاتھوں میں تھیں۔ باقی سب سکھ تھوڑی دیر تک چہار دیواری کے باہر بیٹھے گرو کا نام جپتے رہے۔ رات کے ختم

ہونے میں ابھی ایک پہر باقی تھا کہ گرو نے سمادھی لگا دی اور بڑے آرام سے چتا پر لیٹ گئے۔[1] ایسا کرنے سے پہلے انھوں نے خدمت گزار سکھ کو اپنے پاس بلایا اور کہا کہ وہ ان کے مریدوں سے جاکر ان کی یہ آخری خواہش بیان کرے کہ ان کی موت کے بعد ان کی یاد میں کوئی سمادھی نہ بنائیں۔ جو کوئی ایسا کرے گا تباہ ہو جائے گا۔"

گرو جی اپنے عجز و انکسار کے ساتھ یہ چاہتے تھے کہ ان کا نام یکسر مٹا دیا جائے۔ لوگ ان کی زندگی کے نقشِ قدم پر چلیں اور مزار پرستی نہ کریں۔ لیکن بعد میں سکھوں نے ان کی استھیاں جمع کیں اور ان پر ایک چبوترہ بنا دیا۔ گرو نے جس خالصہ کو دنیادی امور میں اپنا جانشین مقرر کیا تھا اس خالصہ نے فیصلہ کیا کہ گرو گوبند سنگھ جیسے عظیم گرو کی یاد منائی ہی چاہیئے۔ یہاں جمہوریت عمل پیرا تھی

اس طرح بیالیس سال کی جوان عمر میں نسلِ انسانی کی تاریخ کے ایک حیرت انگیز کردار کا افسانۂ حیات ختم ہو گیا۔ انہوں نے نو برس کی معصوم عمر میں جب کہ باپ کا سایہ ان کے سر پر سے اٹھ گیا تھا اور وہ اپنے آبائی خاندان کے حاسد اور شر انگیز افراد، پہاڑی سرداروں اور ستم بالائے ستم مغل شہنشاہ اور اس کے صوبیداروں کے درمیان گھرے ہوئے تھے نہ صرف اپنے نزدیکی مریدوں

---

[1] آخری تحقیق کے مطابق گرو نے ۷ اکتوبر ۱۷۰۸ء کو صبح سویرے شہادت پائی اور ان کے مریدوں نے صبح کو تمام اعزازات کے ساتھ ان کا انتم سنسکار کیا۔ (دیکھیے گرو گوبند سنگھ کے درباری شاعر سینا پتی کی کتاب "گر سوبھا" اور ڈاکٹر گنڈا سنگھ کی کتاب "گرو گوبند سنگھ کے آخری ایام") لیکن کٹر سکھوں کا یہ خیال ہے کہ گرو صاحب گھوڑے پر سوار آسمان کی طرف اڑ گئے۔

کے لیے بلکہ برِّ صغیر میں انسان کی آزادی کے لیے اور انسان کے وقار اور اس کے نجی عقیدوں اور طرزِ حیات پر اس کے حق کے لیے مادی اور روحانی ذمہ داریاں سنبھالتے ہوئے تمام نسلِ انسانی کو ایک نئی مادی امید اور روحانی قوت عطا کی۔ انہوں نے مٹی کے پتلوں یعنی عورتوں اور مردوں کو کردار میں ڈھال کر فولادی انسان بنایا اور چڑیوں کو اس قدر طاقتور بنایا کہ وہ عقابوں پر جھپٹ سکیں اور ان کے ٹکڑے اڑا سکیں۔ ان کی موت کے تین سال بعد بندے کی قیادت میں سکھ وسطی اور جنوب مشرقی پنجاب کے بڑے حصے پر قابض ہو گئے اور ان سے دلی کو خطرہ پیدا ہو گیا۔ تیس سال بعد وہ ستلج کے پار کے علاقے کے مالک بن گئے اور وہ گنگا اور جمنا کے درمیان واقع علاقوں میں ایک بڑی طاقت بن گئے۔ موت اور زندگی کی جدوجہد میں، شجاعت اور ایثار میں ایسی چند ہی مثالیں نسلِ انسانی کی تاریخ میں ملتی ہیں۔ گرو نے آدرش کے لیے موت کو اس قدر مقبول ترین بنا دیا تھا کہ جب کسی سکھ کے سر کو قلم کرنے کا انعام رکھا جاتا تھا اور ساری برادری کو گھروں سے نکال کر ان کا تعاقب کیا جاتا تھا اور وہ سالوں تک جنگلوں اور پوشیدہ ٹھکانوں میں رہا کرتے تھے تو کوئی بھی نہ تو ہتھیار ڈالتا تھا نہ شکست تسلیم کرتا تھا۔ گرو کی صدی کے اختتام تک وہ سارے پنجاب اور بعد میں کشمیر، لداخ اور درّۂ خیبر تک پٹھانوں کی سرزمین پر اپنی حکومت قائم کر چکے تھے۔ ہندوستان کی ایک ہزار سال کی تاریخ میں پہلی بار بیرونی حملوں کی لہر مغرب کی طرف مڑ گئی۔ یہ بات ایک معجزے سے کم نہیں تھی۔

صرف اتنا ہی نہیں ہوا۔ گرو جی نے ایسی شاعری کی کہ ادب کی تاریخ میں چند ہی لوگ ان کے مقام تک پہنچتے ہیں۔ ان کے موضوع اور ان کے تخیل کی وسعت بے پناہ ہے۔ گرو نے نہ صرف سپاہیوں کے فرقے کو جنم دیا بلکہ ایسے

انسانوں کو بھی جنم دیا جو جنگ کے دوران بھی خدا کو فراموش نہیں کرتے تھے اور جن کی فتوحات اپنی عظمت یا حرص وہوا کے لیے نہیں بلکہ دھرم کے لیے ہوتی تھیں۔ دوسرے لفظوں میں گرد گوبند سنگھ کے کہنے کے مطابق کسی قوم کی طرزِ حکومت کا تعین طاقت نہیں بلکہ اس کا اخلاق اور اس کی روشن ضمیر حکمت عملی کرتی ہے۔ ایک قوم تمام لوگوں پر مشتمل ہونی چاہیئے۔ گرو نے خالصہ برادری میں جمہوریت کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھر دیا تھا جس کے مطابق چھوٹا اور بڑا برابر تھا اور جہاں ایک چھوٹا، متحد اور آدرش کی بدولت حوصلہ مند مردوں اور عورتوں کا گروہ دشمن سے لڑتا تھا اور کل قوم کے نام پر عمل کرتا تھا اس کے بارے میں آرنالڈ ٹائن بی نے یہ کہا کہ لینن نے آج جو کچھ کیا گرو نے دوسو سال پہلے کر دکھایا تھا[1] گرو نے وراثت کے حق کو ختم کر دیا کیوں کہ وہ جانتے تھے کہ موروثی گدی کا کتنا ناجائز فائدہ اٹھایا جاتا ہے۔ انہوں نے یہ اعلان بھی کیا تھا کہ جو مجھے گرو کہے گا وہ دوزخ کی آگ میں جلے گا۔

سکھوں کو دنیاوی امور میں تمام خالصہ برادری کے اتفاق رائے سے چلنے کا حکم دیا گیا تھا۔ (اسے "گرمتا" کہتے ہیں)۔ اگرچہ گرد کو مغلوں اور ان کے پٹھوؤں یعنی ہندو پہاڑی سرداروں سے لڑنا پڑا تھا لیکن اس کے باوجود وہ دوسرے انسان کے دھرم کا احترام کرتے تھے۔ "انسان ہر جگہ ایک جیسے ہیں اگرچہ ہر آدمی کی شکل وصورت مختلف ہے۔" انھوں نے اس بات کا پرچار کیا۔

پہلی بار ہماری نسل کو "انسانِ کُل" کا پیغام دیا گیا۔ ہر شخص خدا کا پرستار تھا، جنگجو سپاہی تھا، زمین پر ہل جوتنے والا تھا اور اس کے ساتھ ساتھ چھوٹے

---

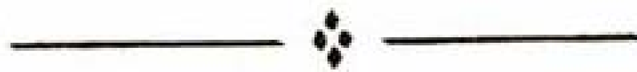
[1] "تاریخ کا مطالعہ" (آکسفورڈ۔ تلخیص۔ ۱۹۶۰۔ صفحہ ۲۴۵)

کام کرنے والا تھا۔ سیوا (برادری کی سیوا) اور لنگر (برادری کی رسوئی) اس وقت سے سکھ برادری کے لازمی جزو ہیں۔ روحانی زندگی کے لیے خوراک اور پوشاک کی قیود ضروری نہیں رہی تھیں۔ سکھوں کے لیے کوئی بھی پیشہ ممنوع نہیں تھا کیونکہ سکھ وہ جو کچھ بھی کرتا تھا خدا کے نام پر کرتا تھا۔ گرو نے کہا تھا ——

" خالصہ خدا کا ہے لہٰذا میدانِ جنگ میں فتح بھی خدا کی ہوتی ہے۔ وہ شخص، جو کماتا ہے اور بانٹ کر نہیں کھاتا اور وہ شخص جو صرف خوشیاں جمع کرتا ہے اور ایثار نہیں کرتا اور وہ شخص جو زندگی کی عارضی چمک دمک کے پیچھے بھاگتا ہے اور خدا سے لَو نہیں لگاتا وہ ہمیشہ کے لیے یہ دعویٰ نہیں کرسکتا کہ گرو اس کا ہے۔"

ان کی آخری پرارتھنا یہ تھی اور ان کے نقشِ قدم پر چلنے والے کی آخری پرارتھنا بھی یہی ہوگی۔

" اے خدا! مجھ میں کوئی ایسی بات نہیں جو میری ہو —— میرے پاس جو کچھ ہے وہ تیرا ہے —— جب میں تیری چیز تجھے سونپ دیتا ہوں تو پھر ایسی کون سی چیز ہے جو میری ہے —— ؟"



دسواں باب

اختتامیہ

اب ہم اس کہانی کے انجام تک آ پہنچے ہیں اس لیے یہ بات بڑی مناسب ہوگی اگر ہم گرو گوبند سنگھ کی سوانح عمری اور خطوط سے جو دستیاب ہیں جہاں تک ممکن ہوسکے یہ اندازہ لگائیں کہ انسان کی تاریخ میں گرو گوبند سنگھ کو کیا مقام حاصل ہے؟ ان پر یہ نکتہ چینی کی جاتی ہے کہ گرو نانک نے جو اپنے گھرانے کے بانی تھے روح کی پُرامن تلاش وجستجو کا راستہ وضع کیا تھا۔ گورو گوبند سنگھ نے اس راستے سے انحراف کیا۔ دوسری طرف یہ رائے دی جاتی ہے کہ وہ جابر حکومت کو جڑ سے اکھاڑنے میں زیادہ کامیاب نہ ہوئے جس کے خلاف انھوں نے علمِ بغاوت بلند کیا تھا۔ ہندوستانی عوام کی تحریکِ آزادی کی رہنمائی کرنے کے لیے انھوں نے جس واضح سیاسی اور سماجی برادری 'خالصہ' کی بنیاد رکھی تھی اسے ہندوؤں سے اتنا ہی دور رکھا گیا جتنا مسلمانوں سے۔ اور یہ رائے دی جاتی ہے کہ ابتدا میں گرو نانک کی کوشش یہ نہیں تھی کہ وہ ایک نیا اور الگ راستہ وضع کریں بلکہ ان کی یہ کوشش تھی کہ وہ دونوں فرقوں کی باطنی اور روحانی زندگی میں اتحاد قائم کریں۔ مغلوں کے خلاف گرو گوبند سنگھ کی جدوجہد کا سبب یہ بتایا جاتا ہے کہ وہ ایک غیر مذہب یعنی اسلام سے نفرت کرتے تھے۔ انھوں نے ہندوؤں کے قدیم رواجوں اور عقیدوں

سے جو انحراف کیا اس کا تجزیہ یوں کیا جاتا ہے کہ انھوں نے گرد نانک کی بہ نسبت اپنے آبا و اجداد کے دھرم کے خلاف کلی اور قطعی بغاوت کی۔

گورو گوبند سنگھ جیسی با اوصاف اور گہری شخصیت کا تجزیہ کرنے میں ایسے اور اس قسم کے دیگر دلائل کمزور اور گمراہ دماغوں کی اپج ہیں۔ کننگھم نے بالکل صحیح کہا ہے ـــــــ

"جو یہ سمجھتے ہیں کہ ان کی ساری امیدوں کو ان کی موت نے جھٹلا دیا، انھیں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ جس وقت حضرت محمدؐ نے مکّے سے ہجرت کی تھی تو یہ بات عین ممکن تھی کہ کسی عرب کی تلوار ان کا کام تمام کرکے دنیا کی تاریخ بدل دیتی اور مشہور رزمیہ نظم " ایلیڈ " کے ہیرو ایکلس کو بھی جو صداقت کا علمبردار تھا ٹرائے کو فتح کیے بغیر وہاں سے واپس آنا پڑا۔ مرمڈنس کے شوہر کو جس کے مقدر میں یہ لکھا تھا کہ اس کی عمر زیادہ نہیں ہوگی اور اسے دوامی شہرت ملے گی۔ سموئس اور اسکیمیڈر سے جدوجہد کرتے ہوئے جیسا کہ اسے ڈر تھا بھیانک موت سے ہمکنار ہونا پڑا تھا۔ رچرڈ کو جو مشرق اور مغرب میں مشہور تھا صرف ایک ہی دھن تھی کہ وہ یروشلم کو مسلمانوں کے قبضہ سے آزاد کرائے۔ اسے شرم اور دکھ سے منہ چھپانا پڑا تھا۔ کیوں کہ وہ خدا کے مقدس شہر کو "کافروں" کے قبضے میں چھوڑ کر جا رہا تھا۔ لہٰذا کامیابی ہی عظمت کا پیمانہ نہیں ہوتی ہے۔ سکھوں کے آخری گرو اپنے مقاصد کو پورا ہوتے ہوئے دیکھنے کے لیے زندہ نہ رہے لیکن انھوں نے ایک معدوم قوم کی خوابیدہ طاقتوں کو بیدار کر دیا اور اس کے دل میں انھوں نے سماجی آزادی اور قومی فوقیت کا جذبہ بھر دیا۔

یہ ریاضت کی پاکیزگی کے وہ لازمی جزو تھے جن کا پرچار گرو نانک نے کیا تھا۔

" گرو گوبند سنگھ نے زندگی کی ان چنگاریوں کو پہچانا جو اب بھی باقی تھیں اور انہوں نے ان چنگاریوں کو بھڑکتی ہوئی آگ کی طرح روشن کر دیا۔ تمام سکھوں میں ایک زندہ روح پھونک دی گئی ہے اور گرو گوبند سنگھ نے نہ صرف ان کے دماغوں کی ساخت کو بلند و ارفع کیا بلکہ بدل کر رکھ دیا اور انہوں نے ان کی مادی کایا پلٹ بھی کی ہے اور ان کے جسمانی ڈیل ڈول کو بھی وسعت دی ہے۔ تمام قوم کے خد و خال اور اس کی بیرونی شکل و صورت کو بدل دیا گیا ہے اور ایک سکھ راجہ اپنی پر رعب شخصیت اور آزاد اور مردانہ چال ڈھال سے اتنا ہی ممتاز ہوتا ہے جتنا کہ ایک دھرم گرو اپنی بلند خیالی کے باعث نمایاں نظر آتا ہے اور اس کی یہ بلند خیالی اس کی روح کے جوش و خروش اور پرماتما کی قربت حاصل کرنے کے لیے اس کی جستجو کی علامت ہوتی ہے۔"

کننگھم آخر میں کہتے ہیں : ــــــــــ

"یونان اور روم کے علماء نے ان بے چاروں کے جذبات کو غلط سمجھا جنہوں نے عیسائی مذہب قبول کر کے ایک نئی زندگی پائی تھی۔ ٹیسی ٹس اور سیوتونیس نے ابتدائی عیسائیوں کو یہودیوں کا ہی فرقہ مانا تھا۔ اور وہ بنیادی فرق دیکھنے میں ناکام رہے اور وہ اس نظریہ کی خوابیدہ قوت اور حقیقی حسن کو نہ سمجھ پائے جس نے جدید تہذیب میں عظمت اور پاکیزگی کا اضافہ کیا ہے۔"

جدید تر موازنہ یہ پیش کیا جا سکتا ہے کہ "سرمایہ" کے مصنّف کارل مارکس کو ایک ناکام آدرش وادی سمجھا جاتا تھا۔ اس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ اپنی بدنصیبی کا بدلہ سماج سے لینا چاہتا تھا۔ لیکن اب کوئی بھی ذی ہوش شخص ان گہری اور بنیادی تبدیلیوں کی اہمیت کو گھٹا کر پیش نہیں کر سکتا جو کارل مارکس کا نظریہ ساری انسانی تہذیب میں لایا ہے۔ کارل مارکس کے بعد دنیا ویسی نہ رہی۔ آج اس بات کی کوئی اہمیت نہیں کہ کون کارل مارکس کے حق میں تھا اور کون اس کے خلاف تھا لیکن گذشتہ پوری صدی کے دوران ہر ایک بالغ مرد سے یہ تقاضہ کیا جاتا رہا تھا کہ وہ کارل مارکس کی تائید کرے یا مخالفت کرے۔

ایک بار پھر یہ کہنا ہوگا کہ وہ ایک بڑھئی کا لاوارث بیٹا ہی تھا جس نے جوانی میں صلیب پر اپنی جان دی تھی اور جس نے خدا کی سلطنت دیکھی تھی اور اسے پھانسی کی سزا دینے والوں میں ایک بھی ایسا نہیں تھا جس نے مملکت خدا دیکھی ہو یا اس کا تصوّر بھی کیا ہو۔ درحقیقت یہ ایک نئی تہذیب تھی جس نے جنم لیا تھا اور جسے آنے والے زمانہ میں پوری تاریخ کا دھارا موڑ دینا تھا۔

جس فرد کو پھانسی کی سزا دی گئی تھی اس کی دل دوز چیخوں کو لوگ نئی تہذیب کا دردِ زہ سمجھ بیٹھے۔ اور جب اس صدی کی دوسری دھائی میں مہاتما گاندھی نے چرخہ اور ستیہ گرہ کے غیر معمولی حربوں سے ایک ایسے سامراجی ملک کے خلاف عدم تشدّد اور عدم تعاون کی تحریک شروع کی جو سر سے پاؤں تک ہتھیاروں سے لیس تھا اور جنہوں نے نمک اور اس قسم کے دوسرے قوانین توڑے جو لوگوں کی ضرورتوں اور مطالبات پر کوئی اثر نہیں ڈالتے تھے تو کوئی بھی یہ نہیں جانتا

لہ "سکھوں کی تاریخ"، جے کننگھم ۱۹۵۵ء کا ایڈیشن، صفحات ۷۴ تا ۷۶۔

تھا اور بالخصوص ان کے نکتہ چین تو بالکل یہ نہیں جانتے تھے کہ منحنی سا جسم رکھنے والا یہ کمزور انسان جو خدا کے بھروسے قوی ارادہ رکھتا ہے۔ ایک غلام قوم کی روح کو بدل کر رکھ دے گا۔ گرو گوبند کے نظریہ کی بھی یہی انقلابی نوعیت تھی۔

اس بات پر زور دیا جانا چاہیئے کہ گرو گوبند سنگھ نے گرو نانک کی تعلیمات سے ذرہ بھر انحراف نہیں کیا۔ اگر وہ ایسا ارادہ رکھتے تھے تو وہ اپنے سے پہلے کے گروؤں کے آدی گرنتھ کو اپنے بعد گروؤں کا ظاہری وجود نہ بناتے۔ ان کی اپنی نظمیں خدائے بزرگ و برتر سے منسوب ہیں۔ وہ اس طرح نہیں لڑتے تھے جیسے وہ مختلف دھرموں کے سپاہیوں سے لڑ رہے ہوں بلکہ وہ تو صرف اس وقت لڑتے تھے جب ظالموں کے خلاف لوگوں کی عزت کا سوال پیدا ہو جاتا تھا خواہ وہ کسی دھرم یا ذات پات سے تعلق رکھتے ہوں۔ اور یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ ہندو اور مسلمان مساوی طور پر ان کے دوش بدوش لڑے۔ جس آدمی نے کہا تھا "مندر اور مسجد ایک ہیں۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کی عبادت کے طریقے ایک ہی منزل کی طرف لے جاتے ہیں"۔ اس پر کبھی یہ الزام بجا طور پر عائد نہیں ہو سکتا کہ وہ ہندوؤں یا مسلمانوں کے خلاف تھا۔ کیا گرو نانک نے اپنے حب الوطنی سے بھرپور شبدوں میں بابر کے ابتدائی مظالم کے خلاف آواز بلند نہیں کی تھی۔ اور کیا ایسا کرنے پر انہیں قیدی نہیں بنایا گیا تھا؟ کیا گرو نانک نے خود یہ انتباہ نہیں دیا تھا۔ "جو کوئی دوسرے پر حکومت کرنے کی کوشش کرتا ہے احمق ہے۔ بالکل گنوار ہے"۔ ہتھیار رکھنا اور مغلوں سے ٹکر لینا گرو گوبند کے دادا گرو ہری گوبند کے وقت سے ہی شروع ہو چکا تھا۔ گرو نانک کے بعد ہر گرو کو سچا پادشاہ (سچّا بادشاہ) کہا جانے لگا تھا۔ اور بادشاہت کی تمام علامتیں یعنی تخت، جھنڈا لہرانا، اور بادشاہ کی ہر بات کو حکم کہنا لیکن اس حکم کا مطلب مشیّتِ ایزدی ہوتا تھا،

گرو گوبند سنگھ سے دو صدیاں پہلے سے چلی آرہی تھیں۔ گرو نانک نے ذات پات کا فرق سماج میں ختم کرایا تھا اور بہت پہلے لنگر جس میں ذات پات، جنم، دھرم یا رتبہ کا لحاظ نہ کرتے ہوئے ہر کوئی کھانا کھاتا تھا، گرو کے گھرانے کی عام خصوصیت بن چکا تھا۔ وہ اخلاقی اصول دنیاوی کاموں اور انسانی حکومت کے رہنما یانہ اصول تھے اور گورو نانک کے عہد ہی سے ان اصولوں کو سماجی ڈھانچے اور انفرادی طور و اطوار کی بنیاد تسلیم کرلیا گیا تھا۔ گرو نانک کی اس ہدایت سے کہ یہ سرگرمی خدا کے نام پر اور خدا کے لیے وقف ہونی چاہیے، گرو گوبند سنگھ نے کبھی انحراف نہیں کیا تھا۔

تو پھر گرو گوبند سنگھ کا نمایاں کارنامہ کیا تھا؟ ان کا کارنامہ یہ تھا کہ انھوں نے روحانی طور پر بیدار اور دنیا سے آگاہ لوگوں کی ایک سماجی و سیاسی جماعت کو منظم کیا جسے پورے سماج کی تحریکِ آزادی کا رہنما بننا تھا اور صرف خود کفیل سکونِ دل اور فرد کی مادی خوشحالی پر مطمئن نہیں رہنا تھا۔ ان کا کارنامہ یہ تھا کہ انھوں نے ایک متحد، متحرک بیدار اور پیش رو تنظیم کے ذریعے سے تمام سماج کی کایا پلٹ دی جو زندگی کے ہر شعبہ میں تمام سماج کے مفاد میں کام کرتی تھی۔ ان کا کارنامہ یہ تھا کہ انھوں نے فولاد اور آگ کے امرت سے خدمت و ایثار کو زندگی کا ضروری جزو بنادیا۔ ان کا کارنامہ یہ تھا کہ انھوں نے جمہوریت کا جذبہ انسان اور سماج کے باطن میں سرایت کر دیا اور ہمہ گیر خدا کی ذات کو فرد اور سماج کی سرگرمی کے لیے ایک تحریک اور ایک آدرش بنا دیا۔ مختصراً یہ کہا جا سکتا ہے کہ اگر گرو نانک نے زندگی کو معانی دیے تو گرو گوبند سنگھ نے موت کو ایک نیا مقصد عطا کیا۔

گرو گوبند سنگھ کے کارناموں کی قصیدہ خوانی کرتے ہوئے سید محمد لطیف

کہتے ہیں :۔۔۔۔۔

"وہ اسٹیج پر تقریر کرتے ہوئے قانون ساز ہوتے تھے میدان جنگ میں فاتح سورما ہوتے تھے اور اپنی مسند پر وہ بادشاہ ہوتے تھے اور خالصہ کے اجتماع میں وہ ایک فقیر ہوتے تھے"[۱]

اس طرح گرو نے نسلِ انسانی کو "انسانِ کُل" کا پیغام دیا۔ جب سوامی وویکانند سے پوچھا گیا کہ یہ بات کتنی حیرت انگیز ہے کہ گرو گوبند سنگھ نے ہندوؤں اور مسلمانوں کو متحد کیا اور ان کو ایک ہی منزل کی جانب لے گئے تو سوامی وویکانند نے کہا کہ ہندوستان کی تاریخ میں یہ مثال واقعی نہیں ملتی۔"[۲]

ہمارے خیال میں ڈاکٹر سر گوکل چند نارنگ نے بالکل ٹھیک کہا ہے۔

"گرو گوبند سنگھ اگرچہ قوم کے پاؤں میں پڑی ہوئی بیڑیاں نہ کاٹ سکے لیکن انہوں نے ہندوستان کے لوگوں کی روح کو آزاد کر دیا اور ان کے دلوں میں آزادی اور عزت کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھر دیا۔ دلّی کے بادشاہ کے ساتھ جس عظمت کو جوڑا جاتا تھا اس عظمت کا ظلم توڑ دیا اور مغلوں کے مظالم لوگوں کے دلوں میں جس خوف کی لہر دوڑا دیتے تھے اسے ختم کر دیا۔"[۳]

پروفیسر بنرجی کے الفاظ میں یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ گرو گوبند

---

[۱] تاریخِ پنجاب۔ کلکتہ ۱۸۹۰۔

[۲] وویکانند کی تخلیقات جلد VI صفحہ ۴۶۹۔

[۳] "سکھ دھرم کی کایا پلٹ"، دلّی، ۱۹۶۰۔ صفحہ ۹۸۔

سنگھ کا شمار ہر زمانے کے ہندوستانیوں میں ہوتا ہے۔ انھوں نے جو کام کیا وہ عظیم تھا اور انہوں نے جو ذرائع اختیار کیے ان کو ایک بیدار دماغ ہی سوچ سکتا تھا۔ اور ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ گرو گوبند سنگھ اور چاہے کچھ بھی رہے ہوں لیکن وہ اوّل و آخر طور پر ایک دیندار رہنما تھے۔ زندگی کے شدید ترین بحران میں کوئی درویش مَنش، انتہائی روحانیت پسند اور خدا کی رضا پر چلنے والا انسان ہی ایسا برتاؤ کرسکتا تھا جیسا کہ گرو گوبند سنگھ نے کیا۔ انھوں نے اپنے گھر اور تمام مال و متاع کو دشمن کے ہاتھوں میں دے کر آنند پور کو خیر باد کہا۔ ان کی صفوں میں سپاہیوں کی تعداد کم ہوگئی؛ ان کا خاندان منتشر ہوگیا، ان کی بیویاں ایک طرف گئیں اور ان کی ماں ان کے دو چھوٹے بیٹوں کو نہ جانے کہاں لے گئی۔ ایسی حالت میں چمکور پہنچے اور وہاں مغلوں اور پہاڑی راجاؤں نے ان کو فوراً ہی گھیر لیا۔ بے انتہا دشواریوں کے خلاف فوق الفطرت جدوجہد کرتے ہوئے انہوں نے اپنی آنکھوں سے اپنے دو بیٹوں اور منتخب ساتھیوں کو شہید ہوتے ہوئے دیکھا وہ کبھی ایک بھیس میں اور کبھی دوسرے بھیس میں بچ کر نکلتے رہے اور پھر یہ خبر آئی کہ ان کے دو چھوٹے بیٹوں کو سنگدلی اور وحشیانہ طور سے قتل کر دیا گیا ہے اور ان کی ماں کی المناک موت ہوگئی ہے۔ انہوں نے بڑے حوصلے کے ساتھ یہ سب کچھ برداشت کیا۔ وہ بڑے آرام سے اپنا کام کرتے رہے جیسے کچھ ہوا ہی نہیں تھا۔

انھوں نے گرو گرنتھ صاحب کو از سرِ نو مرتب کیا۔ اس میں اپنی تخلیقات کا اضافہ کیا اور مالوہ کے علاقے میں سکھ دھرم کی مضبوط بنیاد رکھنے میں مصروف ہوگئے۔ یہ امر واقعہ ہے کہ یہ کارنامہ کوئی معمولی سیاست دان یا سپاہی سر انجام نہیں دے سکتا تھا۔ یہ بات بھی بڑی اہمیت رکھتی ہے کہ ایک سال کے گہرے رابطے کے بعد بہادر شاہ نے گرو گوبند سنگھ کو درویش سمجھ کر ان سے ویسا ہی سلوک کیا[1] اور

(لہ اگلے صفحہ پر)

حکم دیا کہ گرو جو وافر منقولہ جائیداد چھوڑ گئے ہیں، وہ ان کے وارثوں کو دے دی جائے۔ اگرچہ قاعدے کے مطابق اس جائیداد کو ضبط کر لینا چاہئے تھا۔ وہ انسان جو یہ پرچار کرتا تھا کہ مسجد اور مندر ایک ہیں، کسی فرقے یا طبقے کا دشمن نہیں ہو سکتا تھا۔ گرو کی زندگی اور ان کی تحریروں میں ایسی کوئی بات نہیں ملتی جو اس مقصد کو غلط ثابت کرتی ہو۔ وہ برادری کی اجتماعی عقل و دانش کو قائد بنا گئے تھے، اس بات کو اچھی طرح جانتے ہوئے کہ اگر ضرورت پڑی تو اس میں نئے لیڈر پیدا ہوں گے۔ اور گرو کا یہ خیال غلط نہیں تھا جیسا کہ سکھوں کی جنگ آزادی میں نواب کپور سنگھ اور جتا سنگھ کلاں جیسے غیر معروف اشخاص کے کارنامے سے ثابت ہوتا ہے۔ انھوں نے ابدالی کی جارحانہ قوت کی تیز دھار کو کند کر دیا جس کا مقابلہ مرہٹے بھی نہیں کر پائے تھے اور انہوں نے پانی پت میں ابدالی کی عظیم فتح کو ایک کھوکھلی فتح بنا کر رکھ دیا۔[2]

کہا جاتا ہے کہ جب ڈاکٹر رادھا کرشنن ماسکو میں ہندوستان کے سفیر تھے تو وہ اسٹالن سے ملے تھے۔ روسی لیڈر نے پوچھا تھا "بھارت، امیر اور غریب کے درمیان واقع خلا کو کیسے پُر کرے گا؟" فلاسفر ڈپلومیٹ نے (جو بعد میں جمہوریۂ ہند کے صدر بنے) یہ جواب دیا تھا "جیسے گرو گوبند سنگھ نے ہمارے ملک کی تاریخ میں ہندوؤں اور مسلمانوں کو متحد کر لیا تھا"۔

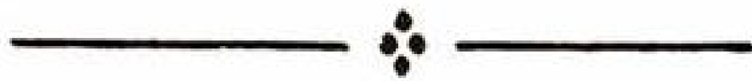
---

[1] (پچھلا صفحہ) ہمارے خیال میں رابطہ چھ مہینے تک برقرار رہا۔ اگست ۱۷۰۷ء سے سال کے آخر تک یا اگلے سال کے اوائل تک۔

[2] "خالصہ کا ارتقاء" از پروفیسر آئی۔ بنرجی۔ کلکتہ۔ ۱۹۶۲۔ صفحات ۱۵۶ سے ۱۶۰ تک۔

اس عظیم پیغمبرِ امید (گرو گوبند) کے ظاہری اور عمیق کارناموں کا مکمل اور زیادہ جامع اندازہ کسی مناسب وقت اور مقام پر لگایا جائے گا۔ لیکن ابھی سکھ مورّخ بھنگو رتن سنگھ کے الفاظ میں جس کے خاندان نے اٹھارھویں صدی میں آزادی کے لیے سکھوں کی جدوجہد دیکھی یا اس میں حصّہ لیا تھا اتنا ہی کہہ دینا کافی ہے ——

"گرو نے خالصہ کو جنم دیا کیوں کہ وہ ہمارے وطن کے غریبوں کو اقتدارِ اعلیٰ سونپنا چاہتے تھے تاکہ آنے والے دنوں میں وہ یہ بات یاد رکھ سکیں کہ تاریخ میں گوبند سنگھ نام کا گرو بھی ہوا ہے!" لہ



لہ پراچین پنتھ پرکاش از بھنگو رتن سنگھ۔

گرو گوبند سنگھ کی "بانی" سے اقتباسات

خدائے بزرگ و برتر کے فضل و کرم سے
جو صداقتِ تمام ہے اور چراغِ راہ ہے

جاپ

دسویں گرو کی مقدس بانی

چھپے چھند[1]

بفضلِ خدا

خدا نہ امتیازی علامتیں رکھتا ہے ، نہ نشانات رکھتا ہے ، نہ اس کی کوئی ذات ہے اور نہ وہ کوئی سلسلۂ نسب رکھتا ہے ۔
اس کی کیا شکل ہے ، کیا رنگ ہے اور اس کے کیا امتیازی نشانات ہیں ؟ یہ کوئی پہچان ہی نہیں سکتا ۔
وہ حرکت میں نہیں آتا ۔ حدود سے بہت دور ہے لیکن وجدانی طور

---

[1] یہ اصل وزنِ شعر ہے ۔

پراس کی جھلک روح کے نور میں ملتی ہے۔

لاکھوں اندر[1] اسے شاہوں کا شاہ سمجھتے ہیں۔

وہ تین دُنیاؤں کا مالک ہے، دیوتاؤں، انسانوں اور راکششوں کی دنیا کا۔ اور جس کے بارے میں گھاس اور پھل پات کی ہر پتی یہ دعویٰ کرتی ہے "نہیں یہ نہیں ہے وہ — یہ نہیں ہے وہ"

اس کے کتنے نام ہیں؟ کوئی بھی نہیں بتا سکتا۔ کوئی بھی نہیں۔

اس کو اس کے عمل سے پہچانا جاتا ہے۔

بھونیگ پریات چھند

مبارک ہے تو کہ تو وقت سے بالاتر ہے!

مبارک ہے تو کہ تو رحیم و کریم ہے!

مبارک ہے تو کہ تیری کوئی صورت نہیں!

مبارک ہے تو کہ تیرا حسن لامثال ہے!

مبارک ہے وہ جس کی کوئی صورت نہیں!

مبارک ہے وہ جو کسی کے آگے جواب دہ نہیں!

مبارک ہے وہ جس کا کوئی جسم نہیں!

مبارک ہے وہ کہ جو کبھی پیدا نہیں ہوا!

---

[1] اندر۔ دیوتاؤں کا دیوتا مانا جاتا ہے۔

مبارک ہے وہ جو کبھی فنا نہیں ہوگا !
مبارک ہے وہ جو کبھی تقسیم نہیں ہوتا !
مبارک ہے تو کہ تیرا کوئی نام نہیں !
مبارک ہے تو کہ تیرا کوئی مقام نہیں !
مبارک ہے تو کہ تو اعمال کا پابند نہیں !
مبارک ہے تو کہ تیری کوئی ذات نہیں ، مذہب نہیں !
مبارک ہے تو اے بے نام !
مبارک ہے تو اے بے مقام !
مبارک ہے تو کہ تو ناقابل تسخیر ہے !
مبارک ہے تو کہ تجھے کسی کا خوف نہیں !
مبارک ہے تو کہ تو بحرِ بیکراں ہے !
مبارک ہے تو کہ تیرے کنارے کٹ نہیں سکتے !
مبارک ہے تو کہ تو لامحدود ہے !
مبارک ہے تو کہ تیرا کوئی آغاز نہیں !
مبارک ہے تو کہ تو بے داغ ہے !
مبارک ہے وہ جو کہیں قائم نہیں رہتا !
مبارک ہے وہ جو ٹوٹتا نہیں ہے !
مبارک ہے وہ جو سخی ہے !
مبارک ہے وہ جو لامحدود ہے اور جس کا کوئی شمار نہیں !
مبارک ہے وہ جو صرف ایک ہے ، واحد ہے !
مبارک ہے وہ جو ایک ہے مگر انیک ہے !

مبارک ہے وہ جو عناصر کا پابند نہیں ہے !

مبارک ہے وہ جو جاری وساری ہے اور غیر متحرک ہے !

مبارک ہے تو کہ تو شکوک میں آوارہ نہیں ہے !

مبارک ہے تو کہ تو اعمال کا پابند نہیں !

مبارک ہے وہ جس کا کوئی وطن نہیں !

مبارک ہے وہ جس کا کوئی لباس نہیں !

مبارک ہے وہ جس کا کوئی نام نہیں ! ۔

مبارک ہے وہ جو کوئی خواہش نہیں رکھتا !

مبارک ہے تو کہ تو آپے سے باہر نہیں ہوتا !

مبارک ہے تو کہ تو غیر فانی ہے !

مبارک ہے تو کہ تو کوئی حرکت نہیں کرتا !

مبارک ہے تو کہ عناصر تجھے کوئی صورت عطا نہیں کرتے !

مبارک ہے تو کہ تو تینوں دنیاؤں سے کوئی تعلق نہیں رکھتا ۔

مبارک ہے تو کہ تجھے کبھی کوئی رنج نہیں ہوتا !

مبارک ہے تو کہ تو رنج و آلام سے بے نیاز ہے !

مبارک ہے وہ جسے کوئی دوسرا منواتا نہیں ہے !

مبارک ہے وہ جس کی عزت تینوں دنیائیں کرتی ہیں !

مبارک ہے وہ جو نیکی کا خزانہ ہے !

مبارک ہے وہ جو عمیق سے عمیق تر ہے !

مبارک ہے وہ جو بازو نہیں رکھتا !

مبارک ہے وہ جو تین دنیاؤں کا مالک ہے اور ابھی پیدا نہیں ہوا !

مبارک ہے تو اے خوش باش!
مبارک ہے تو کہ تو مصروفِ حیات ہے!
مبارک ہے تو کہ تیرا کوئی رنگ نہیں!
مبارک ہے تو کہ تو کہیں جاتا نہیں!
مبارک ہے تو کہ تو اتھاہ ہے!
مبارک ہے تو کہ تو نے پانیوں کو کناروں میں محدود رکھا ہے!
مبارک ہے تو کہ تو کسی کا سہارا نہیں لیتا!
مبارک ہے تو کہ تیری کوئی ذات نہیں!
مبارک ہے تو کہ تیرا کوئی سلسلہ نہیں!
مبارک ہے تو کہ تیرا کوئی دھرم نہیں!
مبارک ہے تو کہ تو عجوبوں کا عجوبہ ہے!
مرحبا —— صد مرحبا!!
مرحبا کہ تیرا کوئی لباس نہیں!
مرحبا کہ تیرا کوئی مقام نہیں!
مرحبا کہ تیرے سر پر کوئی چھت نہیں!
مبارک ہے تو کہ تو سب کی اجل ہے!
مبارک ہے تو کہ تو خدائے رحیم و کریم ہے۔ سب پر مہربان ہے!
مبارک ہے وہ جو تمام صورتیں رکھتا ہے!
مبارک ہے تو کہ تو سب کا بادشاہ ہے!
مبارک ہے تو کہ تو سب کو تباہ کرنے والا ہے!
مبارک ہے تو کہ تو سب کو قایم کرنے والا ہے!

مبارک ہے تو کہ تو سب کو نیست و نابود کرنے والا ہے !
مبارک ہے تو کہ تو سب کی پرورش کرنے والا ہے !
مبارک ہے تو کہ تو فرشتہ سیرت ہے !
مبارک ہے تو کہ تو پُراسرار ہے !
مبارک ہے تو کہ تو نے کبھی جنم نہیں لیا اور تیرا حسن لامثال ہے !
مبارک ہے تو کہ تو ہر چیز میں موجود ہے !
مبارک ہے تو کہ تو ہر چیز میں سمایا ہوا ہے !
مبارک ہے تو کہ تو سب سے محبت کرتا ہے !
مبارک ہے تو کہ تو ہر ایک سے محبت کرتا ہے !
مبارک ہے تو کہ تو سب کو تباہ کرنے والا ہے !
مبارک ہے تو کہ تو موت کی موت ہے !
مبارک ہے تو کہ تو رحیم و کریم ہے !
مبارک ہے تو کہ تیرا کوئی رنگ نہیں ہے !
مبارک ہے تو کہ تو غیر فانی ہے !
مبارک ہے تو کہ تو سب سے طاقتور ہے !
مبارک ہے تو کہ ہر کام تو ہی کرتا ہے !
مبارک ہے تو کہ تو سب سے وابستہ ہے !
مبارک ہے تو کہ تو سب سے جدا ہے !
مبارک ہے تو کہ تیرا کوئی رشتہ دار نہیں !
مبارک ہے تو اے بے خوف اور نڈر !
مبارک ہے تو اے کریم !

مبارک ہے تو اے رحیم !
مبارک ہے تو کہ تو لامحدود ہے !
مبارک ہے تو کہ تو عظیم ترین ہے !
مبارک ہے تو کہ تو ایک عظیم عاشق ہے !
مبارک ہے تو کہ تو سب کا دولہا ہے !
مبارک ہے تو کہ تو سب کی زندگی سلب کر لیتا ہے !
مبارک ہے تو کہ تو سب کا پروردگار ہے !
مبارک ہے تو کہ تو سب کا خالق ہے !
مبارک ہے تو کہ تو سب کو تباہ کر دینے والا ہے !
مبارک ہے تو کہ تو سب سے جُدا ہے !
مبارک ہے تو کہ تو سب کی دلجوئی کرتا ہے !
مبارک ہے تو کہ تو سب پر مہربان ہے !
مبارک ہے تو کہ تو سب کا پروردگار ہے !

چچری چھند

خدا کے فضل و کرم سے

اے تو کہ تیری کوئی صورت نہیں !
تیرے حسن کا کوئی جواب نہیں !

اے تو کہ ابھی پیدا نہیں ہوا !
جسے عناصر اپنے آپ میں سمو نہیں سکتے !
اے لامحدود،
بے پیرہن ،
بے نام
اور جداگانہ !
بے سہارا ،
پراسرار،
ناقابل تسخیر،
بے خوف اور نڈر !
اے تو کہ تینوں دنیاؤں میں جس کی عزت ہے !
اے خزانوں کے خزانے ،
تین دنیاؤں کے مالک !
اے تو کہ جو ابھی پیدا نہیں ہوا !
اے تو کہ جو بے کنار ہے !
جس کا کوئی آغاز نہیں ،
اے تو کہ جو ابھی پیدا نہیں ہوا اور جو خود کفیل ہے !
جس کی کوئی ذات نہیں !
اے تو کہ جو بجائے خود مکمل ہے !
جو کبھی تباہ نہیں ہوتا !
جو کبھی ٹوٹتا نہیں ،

ناقابلِ تسخیر ہے،
اور بے حرکت ہے!
اے عمیق سے عمیق تر!
سب کے دوست،
بے عناد،
بے قیود!
ناقابلِ تفہیم — ناقابلِ دریافت،
لافانی — لامحدود!
اے خالق،
اے تو کہ جو ابھی پیدا نہیں ہوا!
لامحدود — عظیم و برتر!
بے داغ،
لاثانی،
اے تو کہ جس کی ابھی تخلیق نہیں ہوئی،
جو کسی بات میں الجھا ہوا نہیں
اتھاہ! جو کسی کی کوکھ میں نہیں پڑا
عناصر سے بعید،
بے آلائش، بے داغ!
تمام مذاہب سے بعید،
رنج و الام سے بے نیاز،
اے تو کہ جو اعمال کا پابند نہیں!

تو ہمّات سے بے نیاز
ناقابلِ تسخیر، بے خوف
نہتّہ ــــ اتھاہ
جسے تولا نہ جا سکے
اے تو کہ نیکی کا خزانہ ہے
اے تو کہ جو ایک ہے مگر انیک ہے!

بھونیگ پریات چھند

مرحبا، اے قابلِ تعظیم،
مرحبا، اے نیکی کے خزانے
مرحبا اے فرشتوں کے فرشتے
مرحبا اے بے پیرہن، لامحدود
مرحبا اے موت کی موت
مرحبا اے پروردگارِ عالم
مرحبا اے ہمہ جائی
مرحبا کہ تو ہر جگہ موجود ہے، ہر چیز میں موجود ہے
مرحبا کہ تیرے آعضا نہیں، تیرا کوئی آقا نہیں
مرحبا کہ تو لاثانی ہے. اے غارت گرِ تمام

مرحبا اے آفتابوں کے آفتاب ، قابلِ صد احترام
مرحبا اے ماہتابوں کے ماہتاب ، نورِ خورشید !
مرحبا اے نغمۂ موسیقی ۔ دھن اور آواز
مرحبا اے سرودِ رقص !
مرحبا اے آہنگِ نغمہ
مرحبا اے پانیوں کے سیال ۔ اے ہواؤں کی رفتار
مرحبا کہ تیرے اعضاء نہیں ۔ تیرا کوئی نام نہیں
مرحبا اے صورتِ تمام !
مرحبا اے غارت گروں کے غارت گر
مرحبا کہ سب عناصر تجھ میں سمائے ہوئے ہیں
مرحبا اے بے داغ ، پاکیزگی مجسّم !
مرحبا اے شاہوں کے شاہ !
مرحبا اے افضل ترین صورت !
مرحبا اے یوگیوں کے یوگی ۔ افضل ترین غیب داں
مرحبا اے شاہوں کے شاہ ۔ جلالوں کے جلال
مرحبا کہ تو ہتھیاروں سے لیس ہے
مرحبا اے جنگجو سپاہی جسے لڑنے میں لطف آتا ہے
مرحبا اے باطن کے رازداں ،
مرحبا اے مادرِ کائنات
مرحبا اے بے پیرہن ، توہمات سے بے نیاز !
مرحبا اے یگانہ ، جسے کوئی چھین کر نہیں لے جا سکتا

مرحبا اے یوگیوں کے یوگی ۔ اے شیدائی عظیم !
مرحبا اے خدائے موجود ۔ اے تو کہ جو ہولناک عمل کرتا ہے
مرحبا کہ تو فرشتے اور شیطان کو مذہب عطا کرتا ہے
مرحبا اے دافع امراض ۔ رحمتِ مجسّم !
مرحبا اے شاہوں کے شاہ ۔ آقاؤں کے آقا !
مرحبا اے عظیم داتا کہ تو سب کو عزت بخشتا ہے
مرحبا اے امراض کے مرض ۔ اے پاکیزہ خدا
مرحبا اے منتروں کے منتر ۔ جادووں کے جادو
مرحبا اے دیوتاؤں کے دیوتا
مرحبا اے صداقت ، مسرت ، ادراک ۔ غارت گرِ اعدام
مرحبا اے بے صورت ، حسنِ لامثال
مرحبا کہ تو ہر جگہ ایک ہی صورت میں موجود ہے
مرحبا کہ تو ہماری عقل و دانش میں اضافہ کرتا ہے اور ہماری سحر انگیز قوتوں کو بڑھاتا ہے
مرحبا اے غارت گرِ عصیاں ۔ مرحبا اے تو کہ اوپر درمیان اور نیچے موجود ہے
مرحبا اے رفیع تر ! خداؤں کے خدا ، داتا اور پروردگار !
مرحبا کہ تو رحیم ہے اور سب کا داتا ہے
مرحبا اے رازِ سربستہ ۔ جو کوئی معلوم نہیں کر سکا ۔ بے نام اور بے آرزو
مرحبا کہ تو ہر جگہ رہتا ہے اور طاقت ور کو بھی شکست دیتا ہے

تیری قوت کے نام

پچری چھند

تو سمندروں پر ہے ۔ زمین پر ہے
خوف سے بے نیاز ہے اور ناقابلِ تسخیر ہے
تو سب کا مالک ہے ۔ تو ابھی پیدا نہیں ہوا
تیرا کوئی ملک نہیں ۔ تیرا کوئی پیرہن نہیں

بھونیگ پریات چھند

مرحبا تو کہ جو اتھاہ ہے ، لامحدود ہے ، راحتِ مجسّم ہے ،
جس کا ہر کوئی احترام کرتا ہے
جو سب کا خزانہ ہے
مرحبا کہ تیرا کوئی آقا نہیں
مرحبا تو کہ سب کو تباہ کرنے والا ہے
مرحبا تو کہ تجھے کوئی تباہ نہیں کر سکتا !

مرحبا تو کہ تو غیر فانی ہے
مرحبا کہ تو خود کفیل ہے
مرحبا تو کہ تو ہر چیز میں موجود ہے
مرحبا تو کہ ہر لباس میں موجود ہے
مرحبا تو کہ تو شاہوں کا شاہ ہے
مرحبا تو کہ تو سب کو پیرہن دیتا ہے
مرحبا تو کہ سب کا مالک ہے
مرحبا تو کہ ماہتابوں کی روشنی ہے
مرحبا تو کہ ہر موسیقی کا نغمہ ہے
مرحبا تو کہ تو عاشقوں کا عاشق ہے
مرحبا تو کہ تو قہار ہے، غارت گر ہے
مرحبا تو کہ تو امراض پیدا کرتا ہے
مرحبا تو کہ تو ہر بات سے لطف اندوز ہوتا ہے
مرحبا تو کہ تو سب کو فتح کرنے والا ہے
مرحبا تو کہ تو دلوں میں ڈر پیدا کرتا ہے
مرحبا تو کہ ہر ارفع و اعلیٰ دانشوروں کا معلّم اور استاد ہے
مرحبا تو کہ تو نغموں کا نغمہ ہے
منتروں کا منتر ہے۔ جادوؤں کا جادو ہے
مرحبا تو کہ تو ہر سمت میں موجود ہے
مرحبا تو کہ تو ہر ایک کو اپنی طرف کھینچتا ہے
مرحبا تو کہ تو ہر صورت میں موجود ہے

مرحبا تو کہ تو تین دنیاؤں کا غارت گر ہے اور ابھی بے پیکر ہے
مرحبا کہ تو زندگیوں کی زندگی ہے
سبھوں کا بیج ہے
جو ہمیشہ سے گہرا اور پرسکون ہے
جو بے آلائش اور بے داغ ہے
جو کسی سے متعلق نہیں
مگر سب کو عزیز رکھتا ہے

اے رحمتِ تمام، غارت گرِ عصیاں
جو سب سے بالاتر ہے
مرحبا کہ تو تمام معجزوں اور وجدانی قوتوں کا مخزن ہے!

چرپٹ چھند

اے تو کہ عملِ بے عیب ہے
اے تو کہ اٹل قانون ہے
اے تو کہ تمام تر یوگ ہے
اے تو کہ غیر متحرک جہاں پیما ہے
ابدی قانون ہے

قائم بالذات ہے
ارفع و اعلیٰ قانون اور ناقابل تفہیم اعمال کا ماہر ہے
توسب کا داتا ہے
ہمہ داں ہے
سب کو غارت کرنے والا ہے
سب کو آراستہ کرنے والا ہے تو
تو تمام زندگیوں کی زندگی ہے
تمام طاقتوں کی طاقت ہے
ہر دنیا کا مسافر ہے
یوگیوں کا یوگی ہے تو

فرشتوں کے فرشتے،
ہمارے باطنی راز،
موت دینے والے خدا،
سب کا پروردگار ہے تو!

رُوال چھند

خدا کے فضل و کرم سے
وہ پہلا شخص ہے، وقت سے بالاتر، جو کسی کی کوکھ میں نہیں پڑا، جو

لا محدود ہے ،

جو سب کو پیرہن عطا کرتا ہے ، جو تین دنیاؤں کا خالق ہے اور ان پر فضل
و کرم کرتا ہے ۔ جو پراسرار اور رحیم ہے ۔ جو آغاز سے موجود ہے !

جو سب کا پروردگار ہے ، جو سب کو کوشش کرنے پر آمادہ کرتا ہے
اور پھر سب کچھ تباہ کر دیتا ہے

جو یہاں بھی ہے اور وہاں بھی — جدا اور بے گانہ — جس کا حسن تمام
نفاستوں سے آراستہ ہے !

جس کا کوئی نام نہیں ، کوئی مقام نہیں ، جس کی کوئی صورت نہیں ،
رنگ نہیں ، علامت نہیں

ہاں پہلا شخص ، رحمتِ مجسّم ، جو کسی کی کوکھ سے پیدا نہیں ہوا ، لا محدود ،
آغاز تمام

جس کی کوئی قومیت نہیں ، جس کا کوئی لباس نہیں ، کوئی صورت
نہیں ، امتیازی نشانات نہیں ، جس کی کسی سے کوئی وابستگی
نہیں

جو یہاں بھی ، وہاں بھی ، تمام سمتوں میں محبت کی طرح پھیل گیا ہے
جس کا کوئی نام نہیں ، جس کی کوئی خواہش نہیں ۔ ایسا نظر آتا ہے
جس کا کوئی مسکن نہیں

لیکن جو سب کا سرمایۂ ناز ہے ، جو سب کو آراستہ و پیراستہ کرتا
ہے اور جسے ہر کوئی اپنا سمجھتا ہے !

جو ایک ہے لیکن جو انیک نظر آتا ہے ۔ اور لاکھوں صورتوں میں ڈھل
جاتا ہے

وہ اپنا ناٹک رچاتا ہے اور پھر اسے ختم کر دیتا ہے اور دوبارہ واحد و
یکتا ہو جاتا ہے۔
اس کا بھید کسی نے نہیں پایا، ویدوں اور سامی گرنتھوں نے بھی
نہیں پایا،
اسے کوئی کیسے پہچان سکتا ہے جب کہ اس کی کوئی صورت نہیں، رنگ
نہیں، ذات پات نہیں، کوئی قبیلہ نہیں
جس کا کوئی باپ نہیں، ماں نہیں۔ جو نہ پیدا ہوتا ہے، نہ مرتا ہے لیکن
اس کی طاقت کا چکر چارسو تیزی سے گھومتا ہے اور تینوں دنیائیں
اسے تسلیم کرتی ہیں۔
اس میں چودہ "لوک" ہیں۔
وہ پہلا خدا ہے ـــــ جس کا کوئی آغاز نہیں، جس نے یہ سب کائنات
قائم کی ہے۔
خدائے بزرگ و برتر، بے داغ، بے عیب، مکمل اور لامحدود۔
وہ خود ہی پیدا ہوا، اس نے تمام کائنات تخلیق کی اور وہ سب کو
فنا کرنے والا ہے۔
اسے کبھی موت نہیں آتی۔ اپنے قانون پر کاربند ہے۔ غیر فانی ہے۔ وہ
مبارک ہے۔
وہ شکوک سے بالاتر ہے۔ مذہب کا خزانہ ہے۔ وہ عناصر میں نہیں
سما سکتا۔ وہ غیر معروف ہے۔ اس کا کوئی لباس نہیں۔
اس کے اعضا نہیں، کسی سے وابستہ نہیں، اس کا کوئی واضح رنگ
نہیں، ذات پات نہیں، قبیلہ نہیں، نام نہیں۔

جو ستمگر اور اس کے غرور کو تباہ کر دیتا ہے اور جس کا کام یہ ہے کہ سب
کو نجات دلائے۔
صرف وہی ہے ــــ اتھاہ ــــ تعریف و توصیف سے بالاتر، یکتا
اور واحد!
وہ انا کو تباہ کرنے والا ہے۔ وہ سب کی موت ہے۔ واحد ہے اور
یگانہ ہے۔
اس کے اعضا نہیں۔ اسے کوئی تباہ نہیں کر سکتا۔ اس کا کوئی پیکر نہیں۔
واحد اور لامحدود!
وہ پروردگارِ عالم ہے، غارت گرِ عالم ہے۔ ہر جگہ موجود ہے لیکن سب
سے الگ ہے۔
کوئی ہتھیار اس کے پیکر، اس کے رنگ اور علامات کو کاٹ کر الگ
نہیں کر سکتا۔
اس کے بارے میں وید اور پُران کہتے ہیں۔
"نہیں، یہ نہیں۔ نہیں، یہ نہیں"
سمرتیاں بھی یہی کہتی ہیں کہ کوئی دماغ اپنی آنکھ سے اسے دیکھ نہیں سکتا۔

مدھو بھر چھند

خدا کے فضل و کرم سے

ہمارے خدا کی تعریف نہیں ہو سکتی۔ اس کے اوصاف بیان نہیں

کیے جا سکتے۔

اس کا تخت ٹوٹ نہیں سکتا۔ اس کی تعریف یوں کی جاتی ہے کہ اس کی
کوئی شکل و صورت نہیں۔

جو اپنے آپ میں سے ہی پیدا ہوا ہے۔ اور وہ کبھی فنا نہیں ہوگا۔

جو شاہوں کا شاہ ہے۔ طاقتور ہے۔ اس کے بازو بہت لمبے ہیں۔ وہ
وہ فرشتوں کا فرشتہ، آفتابوں کا آفتاب اور شاہوں کا شاہ ہے۔
اور اس کی عظمت کا کوئی ٹھکانا نہیں۔

وہ اندروں کا اندر ہے۔ بچوں میں سب سے معصوم بچہ ہے۔

وہ غریبوں کا غریب ہے۔ موت کی موت ہے۔

جس کی عظمت کو تباہ نہیں کیا جا سکتا۔ جس کے اعضاء عناصر میں نہیں
سما سکتے۔

اس کی وسعت کے بارے میں یہی کہا جا سکتا ہے کہ وہ لامحدود ہے۔
اس کی تعریف نہیں ہو سکتی۔

خاموشی سے ریاضت کرنے والے تیری تعریف کرتے ہیں۔ تو بے خوف
ہے۔ تو کوئی خواہش نہیں رکھتا۔ تیرا نور دمکتا ہے۔ تیری وسعت
کو دیکھا نہیں جا سکتا۔

اس کا کام یہ ہے کہ وہ ساری کائنات کو رقص پر آمادہ کرے۔

آدرش جس کا قانون ہے۔ جو سب میں سمایا ہوا ہے اور جس کے جاہ و
جلال کو کوئی للکار نہیں سکتا۔

چچری چھند

خدا کے فضل و کرم سے

اے والیِ جہاں ! نجات دہندہ ۔ رحیم و کریم ۔ لامحدود !
اے غارت گر ، اے عامل ۔ اے بے نام ۔ اے بے طلب و بے آرزو!

بھونیگ پریات چھند

وہ چار سمتوں کا خالق ہے اور ان کا غارت گر ہے !
وہ تمام سمتوں پر رحم کرنے والا ہے ۔
اسے ہر کوئی تسلیم کرتا ہے ۔
وہی تمام حیات کی رہنمائی کرتا ہے اور ان میں سمایا ہوا ہے ۔
وہ سب کی عکاسی کرتا ہے ، سب کی پرورش کرتا ہے اور سب کو فنا کر دیتا ہے ۔
جو ہر سو موجود ہے ۔ جو ہر گوشے میں رہتا ہے ۔ سب اس کے آگے سر جھکاتے ہیں اور وہ سب کو آشیرواد دیتا ہے !

چچری چھند

اس کا کوئی دشمن نہیں ، کوئی دوست نہیں !
اسے کبھی کوئی شک نہیں ہوتا۔ وہ کبھی خوفزدہ نہیں ہوتا۔
اس کا کوئی پیکر نہیں۔ اس پر اعمال کا اثر نہیں ہوتا۔
وہ ناپید ہے اور کسی کی کوکھ میں نہیں پڑا۔
اسے کسی نے دیکھا نہیں۔ اسے کوئی دوسرا سہارا نہیں دیتا۔
وہ بعید سے بعید تر ہے۔ بے داغ اور پاکیزہ ہے۔
وہ مالکِ جہاں ہے۔
کسی نے اسے دیکھا نہیں۔ وہ کسی کو نظر نہیں آتا۔ کوئی اسے اپنی طرف
کھینچ نہیں سکتا۔

بھگوتی چھند

خدا کے فضل و کرم سے

تیری مملکت کو کوئی تباہ نہیں کر سکتا اور تیرے لباس کو کوئی داغ دار نہیں

کر سکتا۔
تیرے کارناموں کو فنا نہیں۔ تیری "مایا" کا جال ٹوٹ نہیں سکتا۔
تو تینوں دنیاؤں سے الگ ہے۔
تو آفتاب کے جاہ و جلال کو واپس لے سکتا ہے۔
تیرے بارے میں کہا جاتا ہے کہ تو کسی سے وابستہ نہیں اور تو تمام عناصر
کا خالق ہے۔
تو شاہوں کی عظمت ہے،
ہر مذہب کا پرچم ہے،
تجھے کبھی کوئی تکلیف نہیں ہوئی،
تو ہر چیز میں سمایا ہوا ہے۔
اے خالقِ کائنات،
سورماؤں کے سورما!
خود بخود وجود میں آنے والے حسنِ لا مثال!
تو ہمارا یکتا اور واحد خدا ہے۔
پہلا خدا جس کا کوئی ہمسر نہیں،
پر اسرار، پیکر اور صورت سے بالاتر،
جو صرف اپنے آپ پر دار و مدار رکھتا ہے!
تو سب کی پرورش کرتا ہے، اے رحیم و کریم۔ اے نجات دہندہ!
بے داغ، بے گناہ،
تو راز درونِ راز ہے!
تو سب گناہوں کا خاتمہ کرنے والا ہے۔

شاہوں کا شاہ ہے ۔ مسبّب الاسباب ہے !
سب کا پروردگار ہے !
رحمتِ تمام ہے ۔ سب کی گزر بسر کرنے والا ہے ۔
طاقتِ کل ہے ۔
اور سب کو تباہ کرنے والا ہے ۔

اے خدا تجھے سب مانتے ہیں
تو سب کچھ جانتا ہے اور سب کا داتا ہے ۔
تو ہر چیز میں سمایا ہوا ہے
اور تو ہمیشہ ہر جگہ موجود رہتا ہے ۔

ہر ملک اور برِاعظم میں
ہر لباس میں اے سب کے بادشاہ ،
سب کے خالق ،
سب کے داتا ،
تو سب کو اپنے آپ میں جذب کر لیتا ہے ۔
اے عظمتِ تمام ، اے جلالت مآب ، اے آرائشِ جمال !

کیا ایسی کوئی جگہ ہے جہاں تو نہیں ہے ؟
یا ایسا کوئی لباس ہے جس میں تو نہیں ؟
اے پروردگارِ عالم ! اے مرگِ کُل !

تو سب کو فنا کر دیتا ہے، سب کو تباہ کر دیتا ہے،
تو سب اشکال میں موجود ہے،
اور تو ہر سمت میں ہر کسی کو دیکھ رہا ہے۔
تیری مملکت ہر جگہ ہے۔
تو سب کی قوت ہے،
تو ہر جگہ موجود ہے — اپنی کُل عظمت کے ساتھ!

تجھے ہر جگہ تسلیم کیا جاتا ہے۔
تو جاوداں ہے اور سب کا عظیم آقا ہے۔
تو سب کو قیام بخشتا ہے
اور تجھے ہر جگہ محسوس کیا جاتا ہے!

اے آفتاب — جو سب کو روشن کرتا ہے،
خدائے بزرگ و برتر کی حیثیت سے جسے ہر جگہ تسلیم کیا جاتا ہے!
تو چاند کی ٹھنڈی روشنی ہے!
اے خدا تیرا ہر کلام عظیم ہے،
تو صاحبِ فہم و دانش ہے!
تو علم و دانش کا سرچشمہ ہے
اور تو غور و فکر کا ماہر ہے!

اے حسنِ مجسّم!

تو سب کو اپنی طرف کھینچتا ہے اور سب تیری طرف کھنچتے ہیں ،
میں ہمیشہ تیرا خیر مقدم کرتا ہوں ،
جس کا نام لیوا کبھی مرتا نہیں !

تو اپنے دشمنوں کو زمیں بوس کر دیتا ہے ،
تو غریبوں کا محافظ ہے ،
اے عالی مرتبہ خدا ،
عرش و فرش کے حکمراں !

اے آقائے ثقافت !
تیرے خزانے کے دروازے سب پر کھلے ہیں ،
تو طاقتور عدو ہے ،
اور پروردگارِ کائنات ہے !

ہزار کیفیتوں کے مالک
پُر اسرار ، غائب و بے ظہور ،
عاشقوں پر کرم کرنے والے ،
اے دشمنوں کی تباہی !

تیری صورت بیان نہیں کی جا سکتی ۔
تیرے عناصر محکوم نہیں ،

تیری عظمت درخشندہ و تابندہ ہے!
جو ہمارا آبِ حیات ہے۔ حیات پرور ہے۔

جس کا پیکر ابدی اور دوامی ہے،
جس کا حسن لاثانی ہے۔ جس کے حسن کی تعریف نہیں ہوسکتی۔
تو سب کی شکست ہے اور سب کی عظمت بھی ہے!

اے خدا سب کچھ تیرا ہے،
تو ہمیشہ بے خواہش و بے آرزو رہتا ہے۔
تیرے پیکر کے گرد زمان و مکاں کے بندھن نہیں،
تو عمیق اور اتھاہ ہے — تیری تعریف نہیں ہوسکتی۔

اوم — اے ابتدائے بے آغاز
اے اوّلین وجود
جس کے اعضا نہیں۔ جس کا کوئی نام نہیں
تین دنیاؤں کے غارت گر!
اور ان میں جاری وساری!!

تین برائیوں[1] کو تباہ کرنے والے

---

[1] ہوس، تاریکی، بے حسی!

تینؔ[1] نعمتوں کا انعام دینے والے
تو لافانی ہے، بہت ہی اتھاہ ہے
اچھے حالات کا خالق ہے
تو سب کا جاننے والا ہے

تیرا پیکر تینوں دنیاؤں سے لطف اندوز ہوتا ہے۔
تیرا پیکر جو ٹوٹتا نہیں ہے۔ داغ دار نہیں ہوتا ہے۔
تو غارت گرِ جہنم ہے،
اور تو وارثِ جہاں ہے!

تیری عظمت بیان نہیں کی جاسکتی
تیری صورت ہمیشہ ہمیشہ جداگانہ رہی ہے
اور تیری دلکشی لامثال ہے۔

تیری تعریف و توصیف کون کر سکتا ہے؟
اے یگانہ عظمت کے مالک!
تیری صورت کیسی ہے — بیان نہیں کی جاسکتی
اس کے باوجود تو ہم سے وابستہ ہے
اے عظیم الشان جاہ و جلال!

---

[1] دھرم (یعنی صداقت، ارتھ (دنیاوی دولت) اور کام (خواہش)۔

چچری چھند

اٹوٹ اعضاء کے بغیر
لباس کے بغیر، تیرا کوئی شمار نہیں
تیرے دماغ میں شک و شبہہ نہیں
تجھے اپنے اعمال کے ثمر کی پرواہ نہیں۔

تیرا کوئی آغاز نہیں۔ تو ابتدائے آغاز ہے۔
ناقابلِ تسخیر ہے۔ تو ہمیشہ یکساں رہتا ہے۔

عناصر نے تجھے کوئی شکل نہیں دی
تو بے خوف ہے!
لافانی اور یگانہ ہے،
تو کسی چیز میں الجھا ہوا نہیں ہے۔ تو بندھنوں سے آزاد ہے
تو اکمل ترین ہے۔ تو صرف اپنے ہی وجود سے عقیدت رکھتا ہے
اے یگانہ و یکتا، تو کہیں نہیں جاتا
اور تو نورِ مجسّم ہے۔
تجھے کوئی فکر و تشویش نہیں۔ تو سدا ایک سا رہتا ہے۔

تو ناقابلِ بیان ہے۔
تجھے کبھی کسی نے دیکھا نہیں
تیرا کوئی شمار نہیں
تیرا کوئی لباس نہیں
زمانہ تجھے زنگ آلود نہیں کرتا،
اور تو اتھاہ ہے۔

تو ناپید ہے،
تجھے کوئی جان نہیں سکتا۔
تو بے داغ ہے
تیرا کوئی آغاز نہیں
تیرا کوئی مقام نہیں
تو ہمیشہ سے ہے!
تیری کوئی ذات پات نہیں
تو نجات یافتہ ہے، اور آزاد ہے۔

چرپٹ چھند

خدا کے فضل و کرم سے

اے غارت گرِ تمام ،
وہ جو ہر جگہ موجود ہے ،
اے تو سب کو فنا کرنے والے ،
تو ہمہ داں ہے !

تو سب کا خالق ہے ،
تو سب کی اجل ہے ،
تو سب کا حیات بخش سانس ہے
تو سب کی طاقت ہے !

تو ہر عمل میں موجود ہے ،
تو تمام مذہبی نظاموں میں موجود ہے
تو سب سے وابستہ ہے
تو سب کا نجات دہندہ ہے !

رساول چھند

خدا کے فضل و کرم سے

مبارک ہے تو اے غارت گرِ جہنّم !

اے پیکر، اے بے پیکر!
تیرے عناصر ناقابلِ تقسیم ہیں

غارت گروں کے غارت گر،
تو ہمیشہ سب کے ساتھ رہتا ہے
جس کا پیکر نرم و نازک اور دقیق ہے
اور جو عناصر کا پابند نہیں!

تیرے اعضا نہیں۔ تیرا کوئی نام نہیں
تو تین دنیاؤں کا غارت گر ہے
اور تو ان میں سمایا ہوا بھی ہے
تیرے وجود کو توڑا نہیں جا سکتا۔
اے قوتِ تمام، حسنِ تمام!

تیرے بیٹے نہیں، پوتے نہیں،
تیرا کوئی دشمن نہیں، دوست نہیں
تیرا کوئی باپ نہیں، ماں نہیں
تیری کوئی ذات نہیں۔ تیرا کوئی مسلک نہیں

تو سب کا رشتہ دار ہے اور کسی کا رشتہ دار نہیں
اتھاہ اور لامحدود،

تیری عظمت جاوداں ہے
تو خود ہی وجود میں آیا
اور تجھے کبھی کوئی ندامت نہیں ہوتی !

بھگوتی چھند

خدا کے فضل و کرم سے

تو حاضر و ناظر ہے
تو یہاں بھی ہے اور وہاں بھی ۔
مرحبا ، مرحبا ، صد مرحبا !

تیرا کلام سب کے لیے ہے ،
تیری ذہانت بے نظیر ہے ،
تیرا نور ہر حسن کو اُجاگر کرتا ہے ،
تو اکمل ترین ہے ، رحیم و کریم ہے ۔
تو سب پر رحم کرتا ہے ۔

تو ہمارا روزی رساں ہے ،
تو ہمیشہ سے ہمارا پروردگار ہے ،

تیرا فضل و کرم ہر جگہ موجود ہے۔
تیرا جاہ و جلال تابناک ہے،
تو اپنے دشمنوں کو تباہ کرنے والا ہے،
غریبوں کو آراستہ کرنے والا ہے،
تو اپنے مخالفوں کے ٹکڑے کر دیتا ہے،
تو خوف وہراس کو مٹا دیتا ہے!

تو ہمارے گناہوں کو معاف کر دیتا ہے،
تو ہر جگہ موجود ہے،
تجھے کوئی دشمن شکست نہیں دے سکتا،
تو غریبوں کا رحمدل پروردگار ہے!

تیرا کلام سب کے لیے یکساں ہے،
اے ہمارے مقدس آقا!
تیرا کام یہ ہے کہ تو جہنم کو نیست و نابود کر دے!
تو ہمیشہ جنت میں رہتا ہے!

تو ہر سمت میں جاتا ہے،
تو ہمیشہ رواں دواں ہے،
تو کس قدر مہذب ہے،
کہ تجھے ہر کوئی مساوی طور پر عزیز ہے!

اے دیوتاؤں کے دیوتا ، برتر و اعلیٰ ،
تو ہر کسی کے لیے ہمیشہ ایک سا رہتا ہے۔
تجھے کبھی کسی نے دیکھا نہیں ،
تیری کوئی قوم نہیں ـــــ تو الفاظ سے بالاتر ہے ،
اور تو ہمیشہ سے بے لباس ہے !

تو مالکِ ارض و سماء ہے ،
تیرا مذہب عمیق اور گہرا ہے ،
تو رحمتِ تمام ہے ،
تیرا حوصلہ دل رہا ہے !
تیری تجلی پائیدار ہے ،
تیری خوشبو لامحدود ہے ،
تو مجسم عجوبہ ہے ،
وہ عناصر حیرت انگیز اور خوب صورت ہیں جن سے تو بنا ہے۔

تیری وسعت بے پایاں ہے ،
اے ہماری روح کی عظمت ،
اے غیر متحرک ، بے اعضا ،
لامحدود اور غیر منقسم !

مدھو بھر چھند

خدا کے فضل و کرم سے

اہلِ سکوت و خاموشی ہمیشہ تیرا خیر مقدم کرتے ہیں
تیرے اوصاف کی سدا تعریف ہوتی ہے،
دشمن کی طاقت تجھے تباہ نہیں کر سکتی،
تو اے طاقت ور خدا لافانی ہے!

میں سدا تیرا خیر مقدم کرتا ہوں،
اور سب پاکباز تیرا خیر مقدم کرتے ہیں،
اے قوت کے ناقابلِ تقسیم خدا،
تیری طاقت کو کوئی للکار نہیں سکتا۔

اے لافانی خدا، تو خود ہی پیدا ہوا،
تو یگانوں کا نور ہے،
مبارک ہے تو کہ تیرے اوصاف اَن گنت ہیں۔
تو روئے زمین پر اسی طرح موجود رہتا ہے جیسا سمندروں میں!

تیرے اعضاء کو کوئی تباہ نہیں کر سکتا،

تیرا سنگھاسن جامد ہے۔
تیرے اوصاف لامحدود ہیں۔
تیری مملکت اور تیری حدود فہم سے بالاتر ہیں۔
زمین اور سمندر پر تو لافانی ہے۔
کائنات کی کسی بھی سمت میں کوئی تجھے روک نہیں سکتا۔
تو مالکِ کائنات ہے۔
اور تجھے ہر جگہ لامحدود سمجھا جاتا ہے۔

تو خود ہی موجود ہے، لافانی ہے،
تو ہمیشہ سے زمین کا سہارا رہا ہے۔
تو فرشتوں کی ہمت اور حوصلہ ہے۔
تو سدا سے ایک جیسا ہے۔
تو روزِ ازل سے یکتا اور واحد خدا ہے۔
تیرے اوصاف ان گنت ہیں۔
تیرا خیال سب بے خیالی دور کر دیتا ہے۔
تو طاقت در گرد ہے۔ لافانی،

کیا ایسا کوئی گھر ہے جس میں تیرا خیر مقدم نہیں کیا جاتا؟
کون ہے جو تیرا نام تیرے قدم اپنے دل و دماغ میں نہیں رکھتا ہے؟
تیری حالت سدا ایک سی رہی ہے۔
کوئی بات ایسی نہیں ہے جو تیری شایانِ شان نہ ہو!

تو بے تکلف ، بے آزار ہے ۔ تیری یہی صورتِ حال ہے ۔
تیرا خزانہ کبھی ختم نہیں ہوتا ۔
اے بے مقام اور لامحدود خدا !

تو نظر نہیں آتا اور تیرا قانون دقیق ہے ۔
تیرے اعمال مصدقہ ہیں ۔
تیری کوئی انتہا نہیں ۔ تجھے کوئی گزند نہیں پہنچتا ۔ تو ثابت و سالم ہے ۔
اے میرے داتا ، میرے مالک !

ہر بول من چھند

خدا کے فضل و کرم سے

اے رحیم و کریم !
تو دشمنوں کا غارت گر ہے ،
تو کم عقلوں کو ہدایت دینے والا ہے ،
تو زمین پر کمتر و برتر کے امتیازات مٹانے والا ہے ۔

اے خدائے کائنات ،
اے ہمارے بزرگ و برتر خدا !

جد وجہد کے خالق
اور سب کے نجات دہندہ !

تو زمین کا سہارا ہے ،
تو خالقِ کائنات ہے ،
تو ذہن و دل کے لیے دل کش اور دل ربا ہے !
تجھے سب جانتے ہیں ،
تو ہر چیز میں سمایا ہوا ہے ،
تو خالق ہے ،
سب کا سہارا ہے ،
اور سب کو تباہ کرنے والا ہے ،

اے رحیم وکریم !
کائنات میں جاری وساری ،
ہر ایک کے خدا ،
مالکِ جہاں !

اے خدا — کوئی تجھے منوا نہیں سکتا ،
نہ تجھے کوئی حکم دے سکتا ہے ،
تو ناممکن باتیں بھی کر سکتا ہے ،
اور تو امرتوں کا امرت ہے ۔

تو امرت دینے والا ہے
اے دیوتاؤں کے دیوتا!
تو ناممکن بات بھی کر سکتا ہے،
تو آبِ حیوان کا جوہرِ خلاصہ ہے
تو عجائب کا خالق ہے،
شیریں سے شیریں تر ہے،
انسان کا مالک ہے
احمقوں کو غارت کرنے والا ہے

تو کائنات میں سمایا ہوا ہے
تو رحیم و کریم ہے،
شاہوں کا شاہ ہے
پروردگارِ عالم ہے!

تو خوف کو مٹانے والا ہے،
تو انسان کے دشمنوں کو نیست و نابود کرنے والا ہے،
تو بادشاہوں کو بھی دکھ دیتا ہے
صرف تو ہی تعریف کے قابل ہے۔

تو عقل دینے والا ہے،
تو تمام مخلوق کا خالق ہے،

تو سب کو بناتا ہے
تو سب کو بگاڑتا ہے !

تو ہماری روحِ بلند تر ہے
تو سب کا روح رواں ہے
تو ہماری روحوں سے بندھا ہوا ہے
تو ہی تعریف و توصیف کو معانی عطا کرتا ہے !

بھویانگ پریات چھند

مبارک ہو تجھے اے آفتابوں کے آفتاب !
مبارک ہو تجھے اے شاہوں کے شاہ ،
مبارک ہو تجھے اے دیوتاؤں کے دیوتا !
مبارک ہو تجھے کہ تو اتھاہ تاریکی ہے ،
مبارک ہو تجھے کہ تو تجلّیوں کی تجلّی ہے !
مبارک ہو تجھے اے بیجوں کے بیج ،
مبارک ہو تجھے اے موت کی موت !
مبارک ہو تجھے اے کُل کی کُلیّت ،

مبارک ہو تجھے کہ تو نے حرص و ہوس، بے حسی اور سکون پر قابو پا رکھا ہے

مبارک ہو تجھے اے عناصر کے جوہر، اور اس کے باوجود تو عناصر میں سے نہیں ہے۔
مبارک ہو تجھے اے یوگیوں کے یوگی، دانشوروں کی عقل و دانش!
مبارک ہو تجھے اے منتروں کے منتر، انہماک کے انہماک!
مبارک ہو تجھے سورماؤں کے سورما، کانِ دانش،
مبارک ہو تجھے اے پروردگارِ جہاں، پانی کی نمی!
جد وجہد کے خالق۔ امنِ مجسّم!
دیوتاؤں کے دیوتا، بے آغاز،
خزانوں کے خزانے!

تو خالق ہے، قوتِ مجسّم ہے!
توصیف کی توصیف ہے۔

مبارک ہو تجھے اے امیدوں کی امید،
حسن و جمال کے حسن،
تیرا پیکر لافانی ہے۔ تو بے اعضا رہے، تیرا کوئی نام نہیں۔ تو کوئی خواہش نہیں رکھتا۔
تو غارت گر ہے اور ماضی، حال، اور مستقبل کے ذریعے تین دنیاؤں میں تو سمایا ہوا تھا، ہے اور رہے گا۔

ایک اچھری چھند

ناقابلِ تسخیر، لافانی،
خوف سے بے نیاز،
ہمیشہ سے تو ایک جیسا ہے!

تو کسی کی کوکھ میں نہیں پڑا، تو نے جنم نہیں لیا،
تو کبھی تباہ نہیں ہوتا۔
جو سب پر آسمان کی طرح محیط ہے،

اٹوٹ، جس کی تہہ تک کوئی نہیں پہنچ سکتا۔
ناقابلِ تفہیم ــــ جو جذب نہیں ہوتا۔

زماں و مکاں سے بعید، رحیم و کریم۔
جس کا کوئی اختتام نہیں۔ شمار نہیں۔
جس کا کوئی پیراہن نہیں،
جس کا کوئی نام نہیں،
جس کی کوئی خواہش نہیں،

اتھاہ ــــ

توکسی پر دارومدار نہیں رکھتا ، توسب کو تباہ کرنے والا ہے ،
جو آواگون کا محکوم نہیں ، جو کبھی خاموش نہیں ہوتا ۔
جس کے دل میں عناد نہیں ۔ جو کسی بات میں الجھتا نہیں
جس کا کوئی پیکر نہیں ۔ کوئی نشان نہیں ۔

تو اعمال کا محکوم نہیں ۔ تجھے کسی قسم کا شک نہیں
توِکسی کے سامنے جواب دہ نہیں ،
لافانی ہے تو !

بھویانگ پریات چھند

مرحبا ۔ مرحبا ۔ اے غارت گرِ تمام !

تولافانی اور بے نام ہے ،
جو ہر جگہ قائم و دائم رہتا ہے
خواہش جس کا مفہوم ادا نہیں کرسکتی ۔
جو برائیوں کا خزانہ ہے اور ابدی قانون ہے ،

جاوداں، صادق، اور راحتِ مجسّم!
جو اپنے مخالفوں کو نیست و نابود کرنے والا ہے۔

جو رحیم و کریم اور آشیرواد دینے والا ہے،
جو سب میں موجود ہے۔ یکساں اور تمام کا تمام۔
جس کی روح ایک عجوبہ ہے
جس سے ستم گر بھی خوف کھاتا ہے
ہاں خالق اور غارت گر
اور رحیم و کریم!

تو چار سو موجود ہے، تو ہر جگہ لطف اندوز ہو رہا ہے
تو خود ہی وجود میں آیا،
مقدس ہے، سب سے وابستہ ہے۔
تو مرگ و پیدائش سے بالاتر ہے۔
تو مجسّم رحم و کرم ہے۔
تو ہمیشہ ہمارے ساتھ رہتا ہے۔
اور تیرا جوہر کبھی برباد نہیں ہوتا۔

اکال اُستتی

(لافانی خدا کی حمد و ثنا)

اے لافانی خدا
ہماری حفاظت کر،
تو کہ تمام تر فولاد ہے،
تمام تر موت
تمام تر قوت ہے!

سویّے

خدا کے فضل و کرم سے

(رسومات وغیرہ سے متعلق)

اگر تو اپنی آنکھیں بند کر لیتا ہے اور ایک بگلے کی طرح مراقبے میں چلا جاتا ہے تو تیرے خدا کو کیا؟
اگر تو سات سمندروں میں اشنان کرنے جاتا ہے تو اس طرح تو یہاں اور دوسری دنیا میں اپنی زندگی کے محاسن سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔
تو گناہوں کے درمیان رہتا ہے اور اس طرح تو زندگی بے فائدہ

گزارتا ہے۔

سب سنو! میں صرف صداقت بیان کر رہا ہوں کہ جو خدا سے پیار کرتا ہے وہ خدا کو پالیتا ہے۔

۲

کچھ لوگ لکڑی اور پتھر کی پرستش کرتے ہیں۔ کچھ لوگ اپنے گلے میں "لنگم" لٹکا لیتے ہیں۔

کچھ خدا کو مشرق میں اور کچھ لوگ مغرب میں ڈھونڈتے ہیں۔

کچھ لوگ مورتیوں کی پوجا کرتے ہیں اور کچھ لوگ اتنے کم عقل ہیں کہ مردہ پرست ہیں۔

یہ تمام لوگ جھوٹی نمائش میں پھنسے ہوئے ہیں اور وہ اس بھید کی تلاش نہیں کرتے جسے خدا کہتے ہیں۔

۳

خدا غریبوں کی حفاظت کرتا ہے۔ پرہیزگار کو بچاتا ہے اور اس کے دشمنوں کو تباہ و برباد کر دیتا ہے۔

وہ ہر طرح کی زندگی، ہر قسم کے جانوروں کی دنیا کی سدا پرورش کرتا ہے۔

وہ پانی میں، روئے زمین پر سب کو خوراک فراہم کرتا ہے اور ہماری عارضی غلطیوں کی پروا نہیں کرتا۔

وہ عاجز اور منکسر المزاج شخص پر فضل و کرم کرتا ہے۔ وہ رحم و کرم کا خزانہ ہے۔
وہ ہماری کمزوریوں کو دیکھتا ہے اور ہمیں شرمسار نہیں کرتا۔

۴

وید، پران، قرآن اور دیگر سامی گرنتھ اعلان کرتے ہیں " تو شاہوں کا شاہ ہے۔ ہمارا خدا ہے اور ایک راز ہے۔ جس کے اسرار کی تہہ تک کوئی نہیں پہنچ سکتا"

۵

جو لوگ گندگی کھاتے ہیں وہ سوروں سے بہتر نہیں ہیں
جو مٹی میں لوٹتے ہیں وہ ہاتھیوں اور گدھوں سے بہتر نہیں ہیں۔
جو لوگ قبرستانوں میں رہتے ہیں وہ گیدڑ ہیں۔
جو مزاروں میں رہتے ہیں وہ الو ہیں!
تو جنگلوں میں آوارہ گھوم رہا ہے۔ ہرن بھی جنگلوں میں گھومتے ہیں۔
تو خامشی اور سکوت میں رہتا ہے۔ درخت بھی یوں ہی رہتے ہیں۔
تو برہمچاری ہے۔ ہیجڑے بھی کنوارے رہتے ہیں۔
تو ننگے پاؤں گھومتا ہے۔ بندر بھی ننگے پاؤں گھومتے ہیں۔
اے عورت، حرص و ہوا اور غیظ و غضب کے غلام تو محبت کے

بغیر خدا کو کیسے پا سکتا ہے ؟

۶

تو جنگل میں رہتا ہے ، راکشش بھی جنگل میں رہتے ہیں ۔
تو دودھ پیتا ہے ، بچے بھی دودھ پیتے ہیں ۔
تو ہوا پر گزارہ کرتا ہے ، سانپ بھی ہوا پر گزارہ کرتے ہیں ۔
تو گھاس کھاتا ہے ، ترکاریاں کھاتا ہے اور دولت کی خواہش نہیں کرتا ، گائے اور بیل بھی یہی کچھ کرتے ہیں ۔
تو آسمان میں اڑتا ہے ۔ پرندے بھی آسمان میں اڑتے ہیں ۔
تو دیر تک ریاضت کے عالم میں بیٹھا رہتا ہے ۔ بگلے ، بلیاں اور بھیڑیے بھی ایسا ہی کرتے ہیں ۔
اور جو لوگ اس جھوٹ اور فریب کو جانتے ہیں وہ اس جھوٹ اور فریب کو غیر شعوری طور پر بھی اپنے دل میں جگہ نہیں دیتے ۔

۷

اگر تو چھپ کر آوارہ گھومتا ہے تو تو ایک بھوت سے بہتر نہیں ہے !
اگر تو صرف پھل کھاتا ہے تو بندر کی طرح ہے !
اگر تو سورج کو پوجتا ہے تو ایک کنول کی مانند ہے !
اگر تو چاند پر رہتا ہے تو پانی میں اُگنے والے پھول کی طرح ہے !

۸

صرف سر جھکا دینے سے کچھ نہیں ہوتا، کیا توپچی ایسا نہیں کرتے، کیا شکاری اور افیونی ایسا نہیں کرتے۔
اے خواہش کے غلام، اے دولت بٹورنے والے تو خدا پر اعتقاد کے بغیر خدا کو نہیں پا سکتا۔

۹

تو پانچ بار خدا کو پکارتا ہے۔ موسمِ سرما میں گیدڑ بھی ایسا ہی کرتے ہیں۔
اگر صرف " تو ہے، تو ہے " کہہ دینے سے خدا ملتا ہے تو سوچو کیا پپیہا ایسی تان نہیں اڑاتا ہے۔

۱۰

مندر اور مسجد ایک ہی ہے۔ ایک ہی بات ہے اگر کوئی خدا کی پرستش ہندوؤں کے طریقے سے کرتا ہے یا مسلمانوں کے طریقے سے
ہر جگہ انسان یکساں ہیں۔ صرف شکل و صورت میں فرق ہوتا ہے۔ وہ بھی دیکھنے پر ورنہ
وہی آنکھیں، وہی کان، وہی جسم، وہی ڈیل ڈول زمین کے عناصر کا مجموعہ۔ ہوا، آگ اور پانی۔

اللہ ابھیکھا ہے ۔ جیسا قرآن ہے ویسے پُران ۔ تمام انسانوں کو
ایک جیسا بنایا گیا ہے ۔ ویسے وہ تجھے مختلف نظر آتے ہیں ۔

۱۱

آگ سے لاکھوں چنگاریاں بلند ہوتی ہیں اور وہ پھر آگ میں جا ملتی ہیں ۔
دھول سے لاکھوں ذرّے اٹھتے ہیں اور پھر مٹی میں جا کر شامل ہو جاتے ہیں ۔
سمندر سے لاکھوں لہریں اٹھتی ہیں اور وہ پھر گر کر پانی میں مدغم ہو جاتی ہیں ۔
اسی طرح تمام صورتیں ابھرتی ہیں ۔ درویشوں جیسی اور درویشوں سے
مختلف ــــ یہ صورتیں خدا سے ابھرتی ہیں اور پھر خدا میں جا ملتی ہیں ۔

۱۲

اے دل ! اس طرح تیاگ اختیار کر ،
اپنے گھر کو ایک جنگل سمجھ ،
اپنے دل میں متجرد رہ ۔

تیرے جٹائی جیسے بال تیری پرہیزگاری ہوں ۔ تیرا اشنان خدا سے
تیرا وصل ہو ــــ تیرے لمبے ناخن تیرا باضابطہ طرزِ عمل ہوں ۔
عقل و دانش تیری رہنما ہو ــــ اپنے دل کو یہی ہدایت دے کہ
خدا کے نام کی بھبھوت اپنے جسم پر مل لے ۔
کم کم کھا ، کم کم سو ۔ اپنے دل میں معافی ، رحم و کرم اور محبت کا جذبہ رکھ ۔

اچھے طرزِ عمل اور قناعت کے ساتھ زندگی بسر کر۔
ان تین باتوں سے اوپر اٹھ جا۔
یعنی دل میں ہوس، غصے اور حرص کی پرورش نہ کر۔ ضد نہ اپنا۔ کسی سے زیادہ رغبت نہ رکھ۔
اس طرح تو اپنی روح کی سرفرازی دیکھے گا اور خدائے بزرگ و برتر کو پالے گا۔

۱۳

وہ مصیبت اور گناہ کا غارت گر ہے اور چشم زدن میں ہزاروں برائیوں کو ختم کر دیتا ہے۔
وہ جو اٹوٹ ہے طاقت ور کو خاک میں ملا دیتا ہے اور ان لوگوں سے محبت کرتا ہے جو اس سے محبت کرتے ہیں۔
دولت منداس کی حدود نہیں پا سکتا —— وید اور سامی گرنتھ اعلان کرتے ہیں کہ وہ ایک ایسا بھید ہے جس کی تہہ تک پہنچنا مشکل ہے۔

وہ سخی بادشاہ ہے۔ داتا ہے۔ وہ ہمارے دلوں میں آنے ولے خیالوں کو بھانپتا رہتا ہے اور ناراض یا خفا نہیں ہوتا۔ وہ ہمیں ہماری روزانہ روٹی سے محروم نہیں کرتا۔

۱۴

وہ ان لوگوں پر بھی سخاوت کرتا ہے جو اسے جانتے ہیں اور اس کا نام لیتے ہیں۔ وہ ان پر بھی نوازش کرتا ہے جو اسے نہیں مانتے۔

وہ نہ صرف زمین بلکہ آسمان کو بھی بہت کچھ دیتا ہے۔

اے انسان! تیرا اعتقاد ڈگمگاتا کیوں ہے جب کہ تیرا دل رُبا خدا ہمیشہ تیری دیکھ ریکھ کرتا ہے۔

۱۵

اس سے بڑا کوئی اور گناہ نہیں ہے جو مذہب کے نام پر کیا جاتا ہے!

۱۶

میں دو دھاری تلوار، سروہی، خم دار تلوار اور خنجر کے آگے سر جھکاتا ہوں۔

میں اس آدمی کے آگے سر جھکاتا ہوں جس کے ہاتھ میں عصا ہو اور جس کی روشنی چودہ طبقوں کو پار کر رہی ہو۔

میں تیر کمان اور بندوق کے آگے سر جھکاتا ہوں،

تو تلوار ہے، بے داغ ہے، بے خوف ہے، اٹوٹ ہے اور آگ ہے۔

تو مضبوط عصا ہے ، تلوار ہے ، سدرشن چکر دھاری ہے ۔ عناصر جس
کو اپنے آپ میں سمو نہیں سکتے جو خوفناک اور بہادر ہے ۔
میں اس کے آگے سر جھکاتا ہوں جس کا جبڑا مضبوط ہو ۔
جس کی طاقت سب سے اعلیٰ اور افضل ہے ۔
تو تیر ہے ۔ توپ ہے ۔
تو اپنے دشمن کو تباہ کرنے والا ہے ۔
درانتی اور تلوار کے نام
جو بدکرداروں کو تباہ کر دیتی ہے ۔
میں ان کے آگے سر جھکاتا ہوں ۔

۱۷

اے خدا مجھے یہ وردان دے کہ
میں تیرے سچے راستے سے بھٹکنے نہ پاؤں ،
مجھ پر خوف غالب نہ آئے ۔
اور جب میں اپنے دشمنوں سے لڑوں ہاں — جب میں لڑوں تو
جیتنے کے لیے لڑوں ۔
مجھے کوئی دوسرا ہدایت نہ دے ، سوائے تیرے اے خدا !
اور میں تیری حمد و ثنا کے گیت گاتا رہوں
اور جب میری زندگی کے آخری دن آپہنچیں تو

میں مقدس جنگ میں لڑتا ہوا مر جاؤں۔

۱۸

غریبوں کو خوراک۔ ستم گر کو تلوار۔
اے خدا! ان کو لازم و ملزوم بنا دے!

شاعر کی دُعاء

(اقتباسات)

اے خدا! میرا ہاتھ تھام لے اور میری حفاظت کر،
اور میرے دل کی یہ خواہش پوری کر دے کہ میں
ہمیشہ تیرے قدموں سے لپٹا رہوں۔
اے خدا! میری پناہ گاہ بن کیوں کہ میں ہمیشہ تیرا رہا ہوں۔
میرے دشمنوں کو غارت کر،
اے خدا! میرے خاندان کو نواز اور ان کو نواز جو میرے ہیں، میرے
خادم ہیں، میرے پیرو ہیں، ان سب کو آشیرواد دے۔
اے خدا! تو میری عبادت گاہ اور جائے پناہ بن۔

اور میرے تمام دشمنوں کو اِس جہاں میں اور اُس جہاں میں نیست و نابود کر دے ۔

اور اے خدا میری صرف یہ خواہش پوری کر دے

کہ میں ہمیشہ تیرے قدموں میں رہوں ۔

اور میں کسی دوسرے کے عوض میں تجھے چھوڑ کر نہ جاؤں ،

اور میں جو چاہوں وہ مجھے تجھ سے مل جائے ۔

اے خدا مجھے آشیرواد دے کہ

میں موت سے نہ ڈروں ،

اور تو ہمیشہ میری پشت پناہی کرتا رہے ،

اے خدا ! تیرے پرچم پر تلوار کا نشان ہے ،

جو ابتدا میں بھی تھا اور انتہا میں بھی رہے گا ۔

تو یکتا اور واحد ہے ،

تو ہی میرا گرو ہے اور رہنما ہے ،

اے کل کائنات کے خالق !

دلوں کے بھید کو جاننے والے ۔ نیک و بد میں امتیاز کرنے والے !

تو چیونٹی پر بھی اتنا ہی مہربان ہے جتنا ہاتھی پر !

جب معصوم اور دین دار رنجیدہ ہوتے ہیں تو تو بھی رنجیدہ ہوتا ہے ،

پرہیزگار خوش ہوتے ہیں تو تو بھی خوش ہوتا ہے ۔

اے خدا ! جو کوئی بھی تیرا آسرا لیتا ہے اس کے تمام دشمن رنج والم میں تباہ ہو جاتے ہیں ۔

اے خدا ! میں اپنے آپ کو تیرے حوالے کرتا ہوں ۔

اے خدا ! اپنا بخشش والا ہاتھ میرے ہاتھ میں دیدے اور میری
حفاظت کر ۔

سِکھوں کی دُعاء

(ہر گھر میں اور اس کے ساتھ ساتھ گوردوارے کے ہر دیوانِ عام میں
ہر پرارتھنا کے بعد یہ دعا پڑھی جاتی ہے ۔ اس کے پہلے چھ مصرعے گرو
گوبند سنگھ نے لکھے تھے)

پہلے پرماتما کا نام پھر گرو نانک کا نام لیجیے ،
پھر گرو انگد ، امرداس اور رام داس کا ـــ وہ ہمیشہ آپ کی حفاظت
کریں
پھر گرو ارجن ، ہری گوبند اور مقدس ہری رائے کا نام لیجیے
اور پھر ہری کرشن کا نام لیجیے جسے دیکھ کر سب دکھ مٹ جاتے ہیں
پھر گرو تیغ بہادر کو یاد کیجیے ۔ آپ کے گھر میں نو خزانے آئیں گے ۔
ہمارے گرو ہمیشہ ہمارے ساتھ رہیں
دسویں گرو گوبند سنگھ ہمیشہ آپ کی طرف داری کریں
اب گرو گرنتھ صاحب سے لو لگائیے ۔ جو گرو کا ظاہر جلوہ ہے ۔
اور کہیے ۔ "خدا عظیم ہے"۔

(دیوان عام میں جمع لوگ جواب دیتے ہیں ، "گرو عظیم الشان ہے ..."

چار[1] بیٹے ، پانچ پیارے[2] ، چالیس مکتے[3] (نجات یافتہ) شہید ، حقیقی مرید ، گرو کے نام لیوا اور جو اپنے راستے پر ثابت قدم رہے ۔ ان کے عظیم الشان کارنامے یاد رکھیے اور کہیئے ۔

" خدا عظیم ہے ۔ گرو عظیم الشان ہے "

جو خدا کا نام لے کر زندہ رہے ۔ جنہوں نے اپنی کمائی بانٹ کر کھائی ، رن بھومی میں تلوار چلائی ، مل کر کھایا اور جنہوں نے دھرم کی ویدی پر اپنا سر کٹایا ۔ جن کے انگ انگ کاٹ ڈالے گئے ۔ جن کی کھال نوچ لی گئی اور جن کو آرے سے چیر دیا گیا مگر جنہوں نے اُف تک نہ کی ۔ اپنے دھرم کو نہیں چھوڑا[4] ۔ ان سب کے عظیم کارنامے یاد کیجیے اور کہیئے ۔

" خدا عظیم ہے ۔ گرو عظیم الشان ہے "

اے عظیم پادشاہ ہمیں پانچ گناہوں سے بچا ۔ حرص وہوس سے ، غصے

---

[1] گرو گوبند سنگھ کے شہید بیٹے ۔

[2] جن کو گرو گوبند سنگھ نے سب سے پہلے امرت دیا ۔

[3] چالیس مکتے جو چمکور کی جنگ میں کام آئے ۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ لوگ کھدرانہ (اب مکتسر) کے نزدیک شہید ہوئے ۔ یہ لوگ پہلے تو گرو کو چھوڑ کر چلے گئے تھے اور پھر بعد میں جنگ لڑنے اور شہید ہونے کے لیے آ گئے ۔ لیکن ان لوگوں کی تعداد کسی صورت میں بھی چالیس نہیں تھی ۔

[4] یہاں بھائی منی سنگھ ، بھائی تارو سنگھ ، بھائی دیالا اور بھائی متی داس کی شہادت کا حوالہ دیا گیا ہے ۔

اور لالچ سے ، ناواجب چاہ سے اور گھمنڈ سے ۔ اے خدا ہمیں صرف اپنا اور صرف اپنا ہی نام لینے دے اور تیرے نام کا فائدہ ، ہمیں ہر قسم کی خوشی کی صورت میں ملے ۔ اے خدا ! جہاں کہیں بھی خالصہ ہوں ان کی حفاظت کر۔ ان پر فضل و کرم کر "پنتھ" ہمیشہ فتح یاب رہے ۔ تلوار ہماری محافظ ہو۔ خالصہ کا جنگی نعرہ ساری دنیا میں گونج اٹھے ۔

" خدا عظیم ہے ۔ گرو عظیم الشان ہے ۔"

اے خدا تیرے سکھوں کو اعتقاد اور ضابطے کا وردان ملے ۔ اعتبار اور یقین کا وردان ملے ۔ ان کا دماغ بیدار ہو ۔ اور وہ تیرا نام لیں ۔ خالصہ کے جھنڈے ، رصدگاہیں ، باجے گاجے ، شبد کیرتن ہمیشہ قائم و دائم رہیں اور دھرم کی ہمیشہ فتح ہو ۔

اے خدا ! ہم ہمیشہ خاکسار رہیں ۔ ہمارے ذہن بلند و بالا رہیں اور اے خدا تو ہمارے ذہن و دل کی حفاظت کرے ۔

اے خالصہ بول "خدا عظیم ہے ۔ گرو عظیم الشان ہے ۔"

گرو نانک کی آشیرواد پاکر ہمارے حوصلے بلند رہیں ۔ اے خدا ! سب کو تیرا آشیرواد حاصل ہو ۔ اور تو سب پر فضل و کرم کرے ۔

نیشنل بُک ٹرسٹ انڈیا کی اُردو مطبوعات

بھارت: دیش اور لوگ

نمبر	کتاب	مصنف	قیمت
۱-	آبادی	ایس، این، اگروال	۵-۲۵

قومی سوانح حیات کا سلسلہ

نمبر	کتاب	مصنف	قیمت
۲-	پنڈت وشنو دگمبر	وی، آر، اٹھاولے	۲-۲۵
۳-	کبیر	پارس ناتھ تواری	۲-۵۰
۴-	گورونانک دیو	گوپال سنگھ	۲-۲۵
۵-	قاضی نذرالاسلام	بسودھا چکرورتی	۲-۲۵
۶-	رنجیت سنگھ	ڈی، آر، سود	۲-۷۵

نہرو بال پستکالیہ (بچوں کے لیے کتابیں)

نمبر	کتاب	مصنف	قیمت
۷-	باپو (پہلا حصّہ)	ایف، سی، فرنتیاس	۱-۵۰
۸-	باپو (دوسرا حصّہ)	ایف، سی، فرنتیاس	۱-۵۰
۹-	کشمیر	مالا سنگھ	۱-۵۰
۱۰-	رسیلی کہانیاں	منوج داس	۱-۵۰
۱۱-	ہمالیہ کی چوٹیوں پر	گیان سنگھ	۱-۵۰
۱۲-	جنّت کی سیر	لیلاوتی بھاگوت	۱-۵۰
۱۳-	ہماری ندیوں کی کہانی	لیلا مجمدار	۱-۵۰

۱۴۔ پرندوں کی دنیا	جمال آرا	1-50

ادب - پردان

۱۵۔ مٹتی بنتی تصویریں	بھگوتی چرن ورما	5-00
۱۶۔ پنجابی افسانے	(مرتبہ) ہربھجن سنگھ	7-00
۱۷۔ ہندی افسانے	(مرتبہ) نامور سنگھ	9-00
۱۸۔ زندگی ایک ناٹک	پنا لال پٹیل	10-00

متفرق

۱۹۔ گاندھی کا ہندوستان (کثرت میں وحدت)		2-25
۲۰۔ اکبر	لارنس بنین	3-50
۲۱۔ عظیم باغی	ڈینس کنکیڈ	6-25
۲۲۔ کچھوا اور خرگوش (بچوں کے لیے)	ڈاکٹر ذاکر حسین	عام ایڈیشن 1-00 خاص ایڈیشن 2-00

ذاکر حسین میموریل سیریز

۲۳۔ ابّو خاں کی بکری	ڈاکٹر ذاکر حسین	3-00
۲۴۔ انوکھی دکان	قدسیہ زیدی	2-50

نیشنل بک ٹرسٹ انڈیا کی زیر طبع اردو کتابیں

قومی سوانح حیات کا سلسلہ

	کتاب	مصنف
۱-	امیر خسرو	سید غلام سمنانی
۲-	سوامی رام تیرتھ	ڈی، آر، سود

نہرو بال پستکالیہ

	کتاب	مصنف
۳-	ہماری ریلیں	جگجیت سنگھ
۴-	ہندوستان غیر ملکی سیاحوں کی نظر میں	ڈاکٹر کے، سی، کھنہ
۵-	آؤ ڈراما کریں	اوما آنند
۶-	آزادی کی کہانی	وشنو پربھاکر
۷-	روہنتا اور زندریا	کے، کے، نائر
۸-	ہماری ندیوں کی کہانی (حصہ دوم)	آل۔ ولی ایا
۹-	ایک مرتبہ کا ذکر ہے (اول، دوم)	ایم جوکسی اور ڈاکٹر پی، ایم، جوشی
۱۰-	ایجادات، جنھوں نے دنیا بدل ڈالی	میر نجابت علی
۱۱-	گاندھی جی کی کہانی	اوما شنکر جوشی
۱۲-	بہادروں کی کہانیاں	راجندر راو سنگھی
۱۳-	ہاکی کا کھیل	سرونید وسانیال

۱۴۔ خالہ بلی کا خاندان — ایم، ڈی، چترویدی

آدان۔ پردان

۱۵۔ کوی — تاراشنکر بنرجی

۱۶۔ تامل افسانے — (مرتبہ) می، پا، سوم سندرم

۱۷۔ تاش کے محل — ایم، رنگانا یاکما

۱۸۔ سفید خون — نانک سنگھ

ذاکر حسین میموریل سیریز

۱۹۔ دنیا کے جانور — قدسیہ زیدی

۲۰۔ گلابو چوہیا اور پریزاد — قدسیہ زیدی

حکومتِ ہند نے وزارتِ تعلیم میں نیشنل
بک ٹرسٹ، انڈیا کو ایک خود مختار تنظیم کی حیثیت سے
۱۹۵۷ء میں اس اہم ترین مقصد کو مدِ نظر رکھتے ہوئے
قایم کیا تھا کہ ملک میں ایک ایسی فضا تخلیق کی جائے
جس میں زیادہ سے زیادہ لوگ کتابیں پڑھنے کی طرف
راغب ہوں۔

ٹرسٹ کی سرگرمیوں میں یہ باتیں شامل ھیں:
کتابوں کے میلے اور نمایش منظم کرنا، تصنیف و تالیف،
ترجمہ، اشاعت اور کتابوں کی تقسیم سے متعلق مسائل
پر مذاکروں اور کارگاہوں کا اہتمام کرنا۔

ٹرسٹ اپنے اس مقصد کو آگے بڑھاتے
ہوئے اچھا ادب پیش کرتا ہے اور اچھے ادب کی تخلیق
کی حوصلہ افزائی کرتا ہے اور یہ کوشش کرتا ہے کہ اس
قسم کا ادب مناسب قیمتوں پر لوگوں کو فراہم کیا جائے۔